عدالتِ صحابہ

شائع کردہ

ادارہ علومِ اثریہ۔ منٹگمری بازار۔ لائلپور

سلسلۂ مطبوعات ۶

عدالتِ صحابہؓ

مرتبہ

فقیر اللہ، متخصص ادارۂ علوم اثریہ لائلپور

ناشر

ادارۂ علومِ اثریّہ، لائلپور

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

صحابہ کرامؓ کی مقدس جماعت ہی وہ پاکیزہ جماعت ہے جس کی تعدیل قرآن نے بیان کی ہے۔ متعدد آیات میں ان کے فضائل و مناقب پر زور دیا ہے۔ ان کے اوصاف حمیدہ کو "اسوہ" کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور ان کی راہ سے انحراف کو "غیر سبیل المؤمنین" کی اتباع سے تعبیر فرمایا ہے۔ الغرض ہر جہت سے صحابہ کرامؓ کی عدالت و ثقاہت پر اعتماد کرنے پہ زور دیا ہے۔ ان وجوہ مذکورہ کی بنا پر علماءِ امت نے قرآن و حدیث کے ساتھ تعامل صحابہؓ کو بھی شرعی حیثیت سے پیش کیا ہے، اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ دین اخذ کرنے والی یہی جماعت ہے اور قرآن و حدیث بھی روایت و عمل کے ذریعہ انہی سے حاصل ہوا ہے بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ صدیقین، شہداء اور صالحین کی یہی وہ جماعت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئس سالہ محنت کا ثمرہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ محدثین نے "الصحابۃ کلھم عدول" کے قاعدہ کے تحت رواۃ حدیث پر جرح و تعدیل کا آغاز تابعین سے کیا ہے۔ اگر صحابہؓ پر کسی پہلو سے بھی تنقید جائز ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ محدثین اس سے صرفِ نظر کرتے یا تغافل کیشی سے کام لیتے۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حفاظت حدیث کے سلسلہ میں کسی شخص کی عظمت یا نیکی ان کے لیے سدِ راہ نہیں بن سکی۔

(ب)

مخالفینِ اسلام نے جب کتاب و سنت کو مشکوک بنانے کے لیے سازشیں کیں تو انہوں نے سب سے پہلے صحابہ کرامؓ ہی کو ہدفِ تنقید بنانا ضروری سمجھا۔ ان کے کردار کو بدنما کرنے کے لیے ہر قسم کے اتہام تراشنے سے دریغ نہ کیا۔ قرآن و سنت کے مقابلہ میں تاریخی و ادبی کتابوں سے چھان بین کر کے تصویر کا دوسرا رُخ پیش کرنے کی سعیٔ ناکام کی اور لطف یہ کہ یہ سب کچھ علم و تحقیق کے نام پر کیا اور کیا جا رہا ہے۔

ابتدا میں تو اس اسلام دشمنی کے محاذ پر صرف روافض ہی نظر آتے ہیں اور علماء حق نے دفاع عن الصحابہ کے موضوع پر روافض کے رد میں کتابیں لکھ کر اس بساط کو ہمیشہ کے لیے لپیٹ کر رکھ دیا تھا۔ چنانچہ "العواصم من القواصم لابن العربی، المنہاج لابن تیمیہؒ اور تحفہ اثنا عشریہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ" وہ کتابیں ہیں جن کو اس موضوع پر حرفِ آخر کی حیثیت حاصل ہے اور ان کے بعد مزید تحقیق و تفتیش کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

ان کے بعد دورِ جدید میں عیسائی مشنریوں کے تحت جب مستشرقین نے زہر آلود مواد کی نشر و اشاعت شروع کی تو بہت سے مسلمان علماء بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور دادِ تحقیق حاصل کرنے کے لیے ان کی تقلید میں وہی کچھ کہنا شروع کر دیا جو مستشرقین کی عین غایت تھی۔ اگر کسی آزاد خیال ادیب نے قرنِ اول پر خامہ فرسائی کر کے ان کو ہدفِ تنقید بنایا تو وہ اسقدر قابلِ افسوس نہیں ہے جسقدر کہ علماءِ دین کا رویہ باعثِ افسوس ہے کہ انہوں نے ایسے لوگوں کی ہمنوائی کر کے روافض اور مستشرقین کے مشن کو تقویت بخشی ہے۔ رشید رضا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

سخن ہائے گفتنی

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء جن کو اصحابِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) یا صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، تفصیلاً نہ سہی اجمالی طور پر ہر مسلمان اس لقب کے ساتھ ان سے متعارف ہے اور اپنے دل میں ان کا احترام لیے ہوئے ہے، حبیبُ الحبیب حبیبٌ، اور جلیسِ الصالح، صالحٌ، کے عام اصول کے پیشِ نظر جب بھی اس نسبت سے کسی کا ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھی ہے تو ہر مسلمان کا دل فرطِ محبت اور حسنِ عقیدت کے ساتھ جھک جاتا ہے، یہ تمام ان کوششوں کے باوجود جو دشمنِ اسلام عبداللہ بن سبا سے لے کر آج تک اپنوں اور بیگانوں، نادان دوستوں اور بدخواہ دشمنوں کی طرف سے اسلام اور اسلام کے ان راویوں کو بدنام کرنے اور ان سے اعتماد اٹھانے کے سلسلہ میں کی گئیں، کبھی تولا و تبرا کے نام پر ان کے مثالب بیان کئے گئے اور کبھی تحقیق و تنقید کے نام سے ان کو مجروح کرنے کی کوشش کی گئی، کبھی حبِ علیؓ کے رنگ میں ان کے ساتھ بغض و عداوت کا مظاہرہ کیا گیا۔ یہ درحقیقت اسلام کی بنیادوں کو کمزور کرنے کی بہت بڑی لیکن ناکام کوشش تھی۔ سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

تدوین حدیث کے عوامل اور عوامل پر بحث کرتے ہوئے، سبائی تحریک کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"یوں کہنے کے لیے اس تحریک کے متعلق بیسیوں باتیں کہی جاتی ہیں، لیکن جس چیز نے اس تحریک کو عجیب و غریب چیز بنا دیا تھا وہ اس کی اصلی روح تھی یعنی اس جوہری قوت کو قطعی طور پر ختم کر دینے کا ارادہ کر لیا گیا تھا جو اسلام کی پشتیبانی اور نصرت کے لیے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد "صحابیت" کی شکل میں قدرت کی طرف سے جمع کر دی گئی تھی۔"

چند سطور کے بعد فرماتے ہیں :-

"اسلام کے بچے کھچے حریف، عرب کے مختلف گوشوں میں جو دبے چھپے تھے۔ عہد عثمانی کے آخری زمانے کے ماحول کے بعض پہلوؤں کو اپنے پوشیدہ اغراض کی تکمیل کے لیے مناسب اور موزوں پاکر مخفی راہوں سے یہی ارادہ کر کے اٹھے کہ "صحابیت" کی اس قوت پر کوئی ایسی کاری ضرب لگائی جائے جس کے بعد اسلام کا دینی سرمایہ ہو یا دنیوی، خود بخود معطل بن کر رہ جائے گا" [1]

آگے چل کر لکھتے ہیں :-

"یقیناً جس نصب العین کو لے کر وہ اٹھے تھے، کامیاب ہو جانے کے بعد اسلام کی فاش شکست پران کی یہ کوشش منتج ہوتی، خدانخواستہ

---

(۱) تدوین حدیث۔ ص ۲۴۔

اگر یہ ہو جاتا تو پہلی صدی ہجری میں جیسا کہ ان بداندیشوں نے سوچا تھا، اسلام کا سارا ایوان سربسجود ہو کر رہ جاتا گویا شروع ہونے کے ساتھ ہی اسلام کی تاریخ ہمیشہ کے لیے اسی وقت ختم ہو جاتی۔ اس لیے اسکی تو داد دینی پڑتی ہے کہ تاکنے والوں نے ٹھیک اسی بنیادی اساس کو ضرب لگانے کے لیے تاکا تھا جس پر ضرب لگانے میں کامیاب ہو جانے کے بعد وہ بازی جیت لیتے۔" [1]

بہر حال وہ کامیاب ہوتے یا ناکام رہے، تاہم اپنے نقش قدم پر چلنے والوں کے لیے ایک طریق کار متعین کر گئے ہیں اپنا کر حصار اسلام کی بنیادوں کو اگر متزلزل نہیں کیا جا سکتا تو کم از کم اسلام اور اس کے علمبرداروں کے خلاف حسد کے بھڑکتے ہوئے شراروں کو ٹھنڈا ضرور کیا جا سکتا ہے۔ ان کی اسی ناپاک جسارت سے اگرچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شخصیت، کردار، سیرت و عدالت و اغدار تو کیا، غبار آلود بھی نہیں ہوتی، ظاہر بین آنکھیں اگر کچھ غبار محسوس کرتی بھی ہیں، تو بھی ان گوہر ہائے صدف نبوت کی آب و تاب میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بقول حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ " جوہر در خلاب افتد ہماں نفیس است " (جوہر کیچڑ میں پڑا ہوا بھی بے عیب رہتا ہے) لہٰذا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شخصیت، کردار، سیرت اور عدالت تو بے غبار ہے اور قیامت تک بے غبار رہے گی البتہ ان پر کیچڑ اچھالنے والے اور انکی طرف سے دفاع کرنیوالے اپنا اپنا زاد آخرت جمع کرتے رہیں گے۔ اسی امید پر ہم نے زیر نظر مقالہ میں بقدر استطاعت عدالت صحابہؓ سے متعلق چند مباحث سپرد قلم کیے ہیں جن سے عدالت صحابہ سے متعلق اکثر شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

---

(۱) تدوین حدیث ص ۴۳۴

صحابی کی تعریف

"صحابی" وہ خوش نصیب مسلمان جس نے ایک نظر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو اور اسلام پر ہی اس کی موت واقع ہوئی ہو۔ حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ "صحابی" کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

کل مسلم رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ہر وہ مسلمان جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو۔

آگے ابو المظفر سمعانی مروزی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

اصحاب الحدیث یطلقون اسم الصحابۃ	محدثین لفظ صحابی کا اطلاق
علی کل من روی عنہ حدیثا او کلمۃ۔	ہر اس مسلمان پر کرتے ہیں جس نے
ویتوسعون حتی یعدون من راٰہ۔	آنحضرت سے کوئی حدیث یا
رؤیۃ من الصحابۃ	کلمہ روایت کیا ہو اور مزید
؎	وسعت کرکے ایسے آدمی کو

بھی صحابہ میں شمار کر لیتے ہیں جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف دیکھا ہو"

علامہ نووی نے بھی شرح مسلم کے مقدمہ میں یہی تعریف کی ہے، اور آخر میں "ولو لحظۃ" کے لفظ کا اضافہ کر دیا ہے یعنی اگرچہ ایک نظر ہی دیکھا ہو۔

---

(۱) مقدمہ ابن صلاح۔ ص ۲۶۳ طبع جدید۔

آگے اس تعریف کے متعلق لکھتے ہیں۔

هذا هو الصحيح في حده وهو مذهب احمد بن حنبل وابي عبد الله البخاري في صحيحه والمحدثين كافة [1]	صحابی کی تعریف میں یہ قول ہی صحیح ہے اور امام احمد بن حنبل کا اور امام بخاری کا اپنی صحیح میں اور جملہ محدثین کا یہی مذہب ہے۔

بعض علماء نے صحابی کی تعریف میں رؤیت کے ساتھ "طول صحبت اور کثرت مجالست" کی شرط بھی ذکر کی ہے، بعض نے ایک دو غزوات میں شرکت کی شرط اور بعض نے اخذِ روایت کی شرط لگائی ہے اور بعض نے عقل و بلوغ کی شرط ذکر کی ہے کہ زائر بوقتِ زیارت عاقل و بالغ ہو۔ لیکن ان میں سے کوئی قول بھی صحیح نہیں ہے ورنہ ایک جماعت کثیرہ صحابی کی تعریف سے خارج ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر وہ تمام وفود جنہیں بہت تھوڑی دیر کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضری نصیب ہوئی۔ اور وہ تمام حضرات جنھوں نے صغر سنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی یا تحنیک اور برکت کی دعا کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیے گئے۔ حالانکہ ہر دو قسم کے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شامل ہیں۔

اطلاقِ لغت کے اعتبار سے بھی "صاحب" کے مفہوم میں ان شرطوں کی گنجائش نہیں کیونکہ لغت میں ہر ساتھی کو صاحب کہہ دیا جاتا ہے۔ اس میں زمانہ کی قلت وکثرت شرط نہیں۔ چنانچہ خطیب بغدادیؒ، قاضی ابوبکر محمد بن الطیبؒ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱) مقدمہ شرح مسلم (نووی) ص ۱۹

لاخلاف بین اهل اللغة فی ان القول "صحابی" مشتق من الصحبة وانه لیس بمشتق من قدر منها مخصوص بل هو جار علی کل من صحب غیره قلیلا کان او کثیرا ولذالک یقال صحبت فلانا حولا ودهرا وسنة وشهرا ویوما وساعة فیوقع اسم المصاحبة بقلیل ما یقع منها و کثیره و ذلک یوجب فی حکم اللغة اجراء هذا علی من صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولو ساعة من نهار[1]

اہل لغت کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ صحابی، صحبت سے مشتق ہے (لیکن) صحبت کی کسی مخصوص مقدار سے نہیں بلکہ اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہو جاتا ہے جو کسی کے ساتھ تھوڑی، بہت دیر کے لیے رہا ہو۔ اور ایسے ہی کہا جاتا ہے کہ میں فلاں کا ایک مدت اور ایک زمانہ، ایک سال، ایک ماہ، ایک دن، ایک گھڑی صاحب رہا، پس مصاحبت کا نام کثیر و قلیل مقدار پر واقع ہو جاتا ہے اور یہ اطلاق لفظ صحابی کے اجراء کو ہر اس آدمی پر واجب کرتا ہے جو دن کی ایک ساعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

الاصحاب جمع صاحب والصاحب اسم فاعل من صحبه یصحبه و ذلک یقع علی قلیل صحابة و کثیرها والا نه یقال صحبه ساعة و صحبه شهرا و صحبه سنة۔[2]

اصحاب صاحب کی جمع ہے اور صاحب "صحب یصحب" سے اسم فاعل ہے، یہ قلیل الصحبۃ اور کثیر الصحبۃ دونوں پر بولا جاتا ہے، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ فلاں ایک ساعت، ایک ماہ، ایک سال اس کا "صاحب" رہا۔

---

(۱) کفایہ بغدادی - ص ۵۱ (۲) الصارم المسلول - ص ۵۸۰

شارح "شرح عقائد" مولانا عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ صحابی کی یہی تعریف کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

واستدل الجمهور بان الصحبة تعم القليل والكثير يقال صحبه ساعة	جمہور کا مستدل یہ ہے کہ صحبت قلیل وکثیر کو شامل کہا جاتا ہے کہ فلاں ایک ساعت اس کا ساتھی رہا۔

آگے ایک دوسری دلیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وثانيا بان الوفود صحابة بالاجماع كجرير بن عبد الله مع قلة مكثهم عنده[1]	اور دوسری دلیل یہ ہے کہ وفود بالاجماع صحابہ میں داخل ہیں (جیسے جریر بن عبداللہ) باوجود ان کے تھوڑی دیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹھہرنے

لہٰذا تعریف میں طول صحبت وکثرت مجالست، یا اخذ روایت یا غزوات میں شرکت کی شرط لگانا درست نہیں، بلکہ شرفِ صحبت کے حصول کے لیے صرف رویت کافی ہے، ایک حدیث کے مضمون سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

لا تمس النار مسلما رآني او رای من رآني۔	اس مسلمان کو جس نے مجھے یا مجھے دیکھنے والے کو دیکھا۔ دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔

یہ حدیث صحابہ اور تابعین کے حق میں جنتی ہونے کی بشارت ہے، اور یہ شرف محض صحبت کی برکت ہے۔ اس معلوم ہوا ہے کہ شرفِ صحبت کیلئے محض رویت

---

(۱) نبراس۔ ص ۵۱۶

کافی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔ مولانا مبارکپوری نے اسکو اردو سے عربی الفاظ میں اس طرح نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:-

خصص هذا الحديث هذه البشارة بالصحابة والتابعين اتفاقاً منهم (۱)

اس حدیث نے جنتی ہونے کی بشارت کو تمام صحابہ وتابعین کے ساتھ خاص کردیا۔ (باتفاق محدثین یا اہلسنت)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ صحابی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الصحابي من لقي النبي صلى الله عليه وسلم مؤمناً به ومات على الاسلام۔

صحابی وہ شخص جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالت اسلام ملاقات کی ہو اور اسلام پر ہی اسکی موت واقع ہوئی ہو۔

حافظ صاحب رحمۃ اللہ نے اس تعریف کے متعلق "اصح ما وقفت عليه من ذلك" لکھا ہے۔ یعنی صحابی کی تعریف میں جو متعدد اقوال میری نظر سے گزرے ہیں ان میں سے یہ قول زیادہ صحیح ہے۔ پھر اس قول کی جامعیت اور وسعت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

فيدخل فيمن لقيه من طالت مجالسته او قصرت ومن روى عنه او لم يرو ومن غزا معه او لم يغز ومن رآه رؤية

"من لقی" (جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو) میں ہر وہ شخص داخل ہوگیا جس کی مجالست طویل

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ج ۴ ص ۳۵۹۔

ولو لم يجالسه ومن لم يره لعارض كالعمى ويخرج بقيد الايمان من لقيه كافرا ولو اسلم بعد ذلك اذا لم يجتمع به مرة اخرى و قولنا "به" يخرج من لقيه مؤمنا بغيره كمن لقيه من مؤمني اهل الكتاب قبل البعثة [1]

ہو یا قصیر اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہو یا نہ اور آپ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوا ہو یا نہ اور وہ بھی داخل ہو گیا جس نے کسی عارضہ مثلاً نابینا پن کی وجہ سے نہ دیکھا ہو۔ اور ایمان کی قید سے وہ آدمی تعریف سے خارج ہو گیا جس نے کفر کی حالت میں آپ کو دیکھا ہو اگرچہ بعد میں مسلمان ہو گیا ہو جب تک دوبارہ آپ کے ساتھ جمع نہ ہوا ہو اور ہمارے قول "به" یعنی آپ پر سے وہ آدمی تعریف سے خارج ہو گیا جو آپ کے علاوہ کسی دوسرے نبی پر ایمان کی حالت میں آپ سے ملا ہو جیسے مومنین اہل کتاب جنہوں نے بعثت سے قبل آپ سے ملاقات کی تھی۔

آگے لکھتے ہیں:۔

ويخرج بقولنا "ومات على الاسلام" من لقيه مؤمنا به ثم ارتد ومات على ردته والعياذ بالله [2]

اور ہمارے قول "ومات على الاسلام" یعنی اسلام پر ہی اس کی موت واقع ہوئی، سے وہ شخص بھی تعریف سے خارج ہو گیا جس نے بحالت ایمان آپ سے ملاقات کی پھر مرتد ہو گیا اور ارتداد ہی کی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی والعیاذ باللہ۔

---

(۱) اصابہ ج ۱ ص ۴، شرح نخبہ ص ۳ (۲) اصابہ ج ۱ ص ۵

اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے صحابی کی تعریف میں بعض دوسرے اقوال بھی نقل کیے ہیں اور شاذ (شخصی و انفرادی آرلو) کہہ کر ان کا رد کر گئے ہیں۔ فرماتے ہیں

وو راء ذلک اقوال اُخریٰ شاذۃ کقول من قال لا یعد صحابیا الا من وصف باحد اوصاف اربعۃ، من طالت مجالسہ او حفظت روایتہ او ضبط انہ غزیٰ معہ او استشہد بین یدیہ وکذا من اشترط فی صحۃ صحبتہ بلوغ الحلم او المجالسۃ ولو قصرت۔

اور اس کے علاوہ کچھ اور (شخصی و انفرادی قسم کے) اقوال بھی ہیں۔ جیسے قائل کا یہ قول کہ نہیں شمار کیا جاتے گا صحابی مگر اسکو جو چار اوصاف میں سے کسی ایک کے ساتھ موصوف ہو جیسکی مجالست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طویل ہو یا اسکی روایات محفوظ ہوں یا یہ معلوم ہو کہ وہ آپ کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک ہوا ہے یا آپکی موجودگی میں شہید کیا گیا اور ایسے ہی جس نے صحت صحبت میں بلوغ کی قید لگائی یا مجالست کی، اگرچہ تھیر ہو۔ (یہ قول بھی شاذ ہے)

آگے چل کر حافظ ابن صلاح اور علامہ ابن نووی کی بیان کردہ تعریف پر (جو جمہور محدثین کی طرف منسوب ہے) یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ ان صحابہ پر صادق نہیں آتی جنہوں نے کہ سنِ تمیز سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کیونکہ رؤیت کی نسبت انکی طرف صحیح نہیں چنانچہ لکھتے ہیں :۔

واطلق جماعۃ ان من رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم فھو صحابی

اور ایک جماعت نے مطلقاً یہ کہہ دیا ہے کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا لیس

وھو محمول علی من بلغ سن التمییز — وہ صحابی ہے (انکا) یہ قول محمول ہے۔
اذ من لم یمیز لا تصح — اس صحابی پر بوقت رؤیت سن تمیز کو پہنچ
نسبة الرویة الیه۔ — چکا ہو کیونکہ جو سن تمیز کو نہیں پہنچا رؤیت
کی نسبت اسکی طرف صحیح نہیں۔

لیکن یہی اعتراض خود حافظ صاحب کی تعریف پر بھی ہو سکتا ہے کیونکہ جس کی طرف رؤیت کی نسبت درست نہیں۔ اس کی طرف لقاء کی نسبت بالاولی درست نہیں۔ لہٰذا حافظ صاحب کی تعریف بھی انہی صحابہؓ پر صادق آئے گی جو بوقت رؤیت سن تمیز کو پہنچ چکے ہوں۔

آگے خود ہی اس اعتراض کو دفع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

نعم یصدق ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم راہ فیکون صحابیا من ھذہ الحیثیة [1] — ہاں یہ ٹھیک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا ہے پس وہ اسی حیثیت سے صحابی کہلائے گا۔

حافظ صاحب علیہ الرحمۃ کی ذکر کردہ تعریف پر جو اعتراض ہوتا تھا اس کا بھی زیادہ سے زیادہ یہی جواب دیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد دونوں تعریفیں بے غبار ہو جاتی ہیں۔ اور ان دونوں سے بے غبار اور جامع تعریف یہ ہو سکتی ہے۔

کل مسلم رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم او راٰہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومات علی الاسلام — ہر وہ مسلمان جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا اور اسلام پہ اس کی موت واقع ہوئی ہو۔

---

(۱) اصابہ۔ ص۔ ۵

لیکن تادم تحریر ہمیں اس تعریف پر کوئی نقل نہیں مل سکی۔ تاہم اسے بے اصل بھی نہیں کہا جا سکتا۔

علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے صحابی کی تعریف میں ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ ہر وہ مسلمان جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہو، اگرچہ آپ کی زیارت نہ کی ہو۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

والقول السادس - انه	صحابی کی تعریف میں چھٹا قول یہ ہے کہ
من ادرک زمنه صلی الله علیه	وہ مسلمان جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم وهو مسلم و ان لم	وسلم کا زمانہ پایا ہو۔ اگرچہ آپ کو
یره [1]	دیکھا نہ ہو۔

علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول یحییٰ بن عثمان بن صالح بصری کی طرف منسوب کیا ہے لیکن صحابی کی تعریف میں یہ قول تمام اقوال سے ضعیف اور ناقابل قبول ہے، کیونکہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ باتفاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمان ہو چکے تھے لیکن والدہ کی خدمت میں مصروف ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ایمان اور مستجاب الدعوات ہونے کی شہادت دی ہے۔ بعض روایات میں ان کے تابعی ہونے کی تصریح بیان کی گئی ہے اور اسی پر علماء کا اتفاق ہے۔ امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ غالباً اسی تعریف کو دیکھتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

و بعض کل من ادرکه علیه السلام ہر وہ شخص جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) فتح المغیث (عراقی) ج ۴ - ص ۳۳ -

ولم يلقه ثم أسلم بعد موته
عليه السلام او في حياته الا انه
لم يره ۔ معدود في الصحابة
ولو كان ذلك لكان كل من كان
في عصره عليه السلام صحابياً
ولا خلاف بين احد في
ان علقمة والاسود ليسا صحابيين
وهما من الفضل والعلم
والبر حيث هما وقد كانا
عالمين جليلين أيام عمر
وليسا في أيام النبي صلى الله
عليه وسلم (١)

کو زمانہ پایا ہو اور آپ سے ملاقات نہ
کی ہو، پھر آپ کی وفات کے بعد یا زندگی
ہی میں مسلمان ہو گیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو نہ دیکھا ہو، صحابہ میں شمار نہیں کیا جائے گا
اگر ایسا ہو تو آپ کے زمانے کا ہر آدمی صحابی
ہونا چاہیے، اور کسی کے درمیان اس بات
میں اختلاف نہیں۔ علقمہ اور اسود علم و
فضل اور صلاح میں اپنے بلند مقام کے
باوجود صحابی نہیں حالانکہ حضرت عمرؓ کے
عہدِ خلافت میں جلیل القدر علماء مانے
جاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی زندگی میں ہی مسلمان ہو چکے تھے۔

---

(١) احکام فی احکام ابن حزم ۔ ج ۲ ۔ ص ۸۳

صغیر السّن صحابہؓ

صغیر السّن صحابہؓ کرام سے مراد وہ حضرات ہیں جنہوں نے سِن تمیز سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، یا وہ نومولود جو تحنیک اور برکت کی دعا کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے اور بعد میں ان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمع ہونا ثابت نہیں ہوسکا۔ یہ حضرات بھی صحابہ کرامؓ میں شمار ہوتے ہیں۔ اس قسم کے صحابہ کرام کی ایک جماعت ہے۔ چند کے اسماءِ گرامی ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) محمد بن حاطب بن حارث رضی اللہ عنہ

(۲) عبدالرحمٰن بن عثمان تیمی رضی اللہ عنہ

(۳) محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ

(۴) عبیداللہ بن معمر رضی اللہ عنہ

(۵) عبداللہ بن حارث بن نوفل رضی اللہ عنہ

(۶) عبداللہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ

(۷) محمد بن ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ

(۸) یحیٰی بن خلاد بن رافع زرقی رضی اللہ عنہ

(۹) محمد بن طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ

(۱۰) عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ،

(۱۱) عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ،

(۱۲) عبدالرحمٰن بن القاری وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان حضرات کو "اصابہ" میں "القسم الثانی" کے تحت ذکر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :-

"القسم الثانی" فیمن ذکر فی الصحابۃ من الاطفال الذین ولدوا فی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم لبعض الصحابۃ من النساء والرجال ممن مات صلی اللہ علیہ وسلم وھو فی دون سن التمییز اذ ذکر اولائک فی الصحابۃ انما ھو علی سبیل الالحاق لغلبۃ الظن علی انہ صلی اللہ علیہ وسلم رآھم لتوفر دواعی اصحابہ علی احضارھم اولادھم عندہ عند ولادتھم لیحنکھم و یسمیھم ویبارک علیھم

دوسری قسم، ان حضرات میں جو صحابہ میں ذکر کیے جاتے ہیں یعنی وہ بچے جو زمانہ نبوی میں بعض صحابہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ عورتیں اور مرد جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی حالت میں چھوڑ کر وفات پائی کہ وہ ابھی سن تمیز کو نہیں پہنچے تھے کیونکہ صحابہ میں انکا ذکر بہ سبیل الحاق ہے۔ اس گمان غالب کی بنا پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا ہوگا۔ کیونکہ صحابہ کرام میں اپنے بچوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کرنے کا داعیہ کثرت سے پایا جاتا تھا تاکہ آپ ان کو تحنیک کریں اور انکا نام رکھیں۔

والاخبار بذلك كثيرة شهيرة ...	اور ان کے لیے برکت کی دعا کریں۔ اور
..... لكن احاديث هولاء	روایات اس کے متعلق کثیر اور مشہور ہیں
من قبيل المراسيل عند المحققين	.... لیکن ان حضرات کی احادیث محقق
من اهل العلم بالحديث و	علماء حدیث کے نزدیک از قبیل مراسیل
لذلك افردتهم من	ہوں گی۔ اسی لیے میں نے پہلی قسم کے
اهل القسم الاول [1]	صحابہ سے ان کو الگ ذکر کیا ہے۔

مخضرمین

مخضرمین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے نبوت اور نبوت سے پہلے کا زمانہ پایا ہو لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات ثابت نہ ہو، خواہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمان ہو چکے تھے یا بعد میں مسلمان ہوئے۔ جن کتابوں میں صحابہ کرامؓ کا ذکر کیا جاتا ہے ان میں ایسے لوگوں کو بھی صرف اسی نسبت سے ذکر کر دیا جاتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پا لیا ہے۔ ورنہ بالاتفاق یہ لوگ صحابہ میں داخل نہیں اور محدثین کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی روایات از قبیل مراسیل ثابت ہوتی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ایسے لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

القسم الثالث. فيمن ذكر	تیسری قسم: ان حضرات میں جو حضرت صحابہ

---

(۱) مقدمہ اصابہ ج ۱ ص ۱۳

فی الکتب المذکورۃ من المخضرمین
الذین ادرکوا الجاھلیۃ والاسلام
وھولاء لیسوا صحابۃ بالاتفاق
من اھل العلم بالحدیث وان
کان بعضھم قد ذکر بعضھم
فی کتب معرفۃ الصحابۃ فقد
افصحوا بانھم لم یذکروھم
الا لمقاربتھم لتلک الطبقۃ
لا انھم من اھلھا ..... وا حادیث
ھولاء عن النبی صلی اللہ علیہ
وسلم مرسلۃ بالاتفاق بین
اھل العلم بالحدیث وقد صرح
ابن عبد البر نفسہ بذلک
فی التمھید وغیرہ من
کتبہ۔

کی کتابوں میں ذکر کیے گئے ہیں ایسی مخضرین
جنھوں نے جاہلیت اور اسلام کا زمانہ پایا
اور یہ لوگ باتفاق علمائے حدیث آپ کے
صحابہؓ نہیں ہیں اگرچہ بعض علماء نے ان
میں سے بعض کو معرفتِ صحابہ کی کتابوں
میں ذکر کر دیا ہے (لیکن ساتھ ہی) یہ
تصریح بھی کر دی ہے کہ ان حضرات کو
ان صحابہ کرام کے طبقہ کے قریب ہونے کی
وجہ سے صحابہ کرام میں ذکر کر دیا ہے کہ
یہ بھی اسی طبقہ کے لوگ ہیں ......
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی
روایات باتفاق محدثین از قبیل مراسیل
ہیں۔ خود علامہ ابن عبد البر نے بھی
"تمہید وغیرہ" اپنی کتابوں میں تصریح کی ہے

ایک اشتباہ

کچھ لوگ غلطی سے معرفتِ صحابہؓ کی کتابوں میں درج ہوتے چلے آئے ہیں۔ سب سے
پہلے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تمیز کی اور الگ ایک قسم کے تحت انکو ذکر کیا ہے

اور چودہ سو سے زائد اس قسم کے نام شمار کئے ہیں۔ حافظ علیہ الرحمۃ نے اس فنی کمال کی طرف سبقت پر فخر کا اظہار کیا ہے اور انہیں بجا طور پر اس کا حق ہے۔ "اصابہ" میں اس قسم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"القسم الرابع" فیمن ذکر فی الکتب المذکورة علی سبیل الوھم و الغلط و بیان ذلک البیان الظاھر الذی یعول علیہ علی اُلق اھل حدیث ولم اذکر فیہ بیتاً واما مع احتمال عدم الوھم فلا الا ان کان ذلک الاحتمال یغلب علی الظن بطلانہ وھذا القسم الرابع لا اعلم من سبقنی الیہ ولا من حام طائر فکرہ علیہ وھو الضالة المطلوبة فی ھذا الباب الزاھر و زبدة ما یمخضہ من ھذا الفن اللبیب الماھر[1]

"چوتھی قسم" ان حضرات میں جو معرفت صحابہ کی کتابوں میں بطریق تذکرہ وہم و غلط ذکر ہوتے چلے آئے ہیں۔ اور انہیں ذکر کر دوں گا اس میں مگر وہی کہ وہم اسمیں واضح ہو لیکن عدم وہم کے احتمال کے ساتھ میں ذکر نہیں کروں گا مگر یہ کہ وہ احتمال ایسا ہو کہ اس کے باطل ہونے کی گمان غالب ہو اور یہ چوتھی، میں نہیں جانتا کہ مجھ سے پہلے کسی نے اس کی طرف سبقت کی ہو اور کسی کے طائر فکر نے اس پہ پرواز کی ہو، اور یہ اس پر فنی باب میں ضالہ مطلوبہ ہے۔ اور مکھن جسے ماہر لبیب اس فن سے بلوتا ہے۔

---

[1] مقدمہ اصابہ - ج ۱ - ص ۴

معرفتِ صحابہؓ کا طریقہ

علماء نے معرفتِ صحابہ کے حسب ذیل پانچ طریقے بیان فرمائے ہیں :-

(۱) **تواتر** : یعنی کسی کا صحابی ہونا تواتر سے ثابت ہو جیسے چاروں خلفاء راشدین ۔

(۲) **شہرت** : یعنی کسی کا صحابی ہونا حدِ شہرت کو پہنچ چکا ہو جیسے اکثر صحابہ کرامؓ

(۳) کوئی معروف الصحبت صحابی کسی کے متعلق کہے کہ یہ صحابی ہے ۔

(۴) تابعی کسی کے متعلق کہے کہ یہ صحابی ہے ۔

(۵) کوئی ایسا آدمی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہو کہے کہ میں صحابی ہوں بشرطیکہ عادل ہو کیونکہ ثبوتِ عدالت سے پہلے اس کے دعوئی صحابیت کو مان لینا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی کہے کہ میں عادل ہوں کیونکہ صحابیت کو عدالت لازم ہے لیکن یہ دعوئی ہجرت نبوی سے ۱۱۰ سال تک درست ہے اس کے بعد درست نہیں اور یہ صحیحین کی ایک روایت سے مستنبط ہے

ایک ضابطہ

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے معرفتِ صحابہ کے سلسلہ میں ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کا غزوات میں امیر ہونا

معلوم ہو جائے وہ یقیناً صحابی ہو گا۔ کیونکہ غزوات میں صحابی کو امیر بنایا کرتے تھے۔ ثانیاً جس کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مدینہ طیبہ میں پیدا ہوا کیونکہ اہل مدینہ صحابہ کرامؓ اپنے بچوں کو تحنیک وغیرہ کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا کرتے تھے۔ ثالثاً جس آدمی کے متعلق ثابت ہو کہ وہ مکہ اور طائف کا رہنے والا ہے کیونکہ مکہ اور طائف کے تمام لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے تھے، حافظ علیہ الرحمۃ نے تین آثار سے یہ ضابطہ مستنبط کیا ہے۔ [1]

کتب معرفت صحابہؓ

اس دور میں معرفت صحابہ کا طریقہ ان کتابوں کا مطالعہ ہے جو اس موضوع پر لکھی گئیں۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے دور تک اس فن میں متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ ان میں سے تین جامع اور مشہور ہیں۔ (۱) الاستیعاب (۲) اسد الغابۃ (۳) الاصابہ۔ موخر الذکر تمام کی جامع ہے۔ اس کے بعد اس فن میں کسی مستقل تصنیف کا نام نہیں ملتا۔ مگر انہی کتابوں کے ذیول اور مختصرات۔ شاید اس کے بعد کسی نے اس فن پر قلم اٹھانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی کیونکہ حافظ ابن حجرؒ کی کوشش اس سلسلہ میں آخری کوشش ہے۔

ذیل میں مذکورہ بالا کتابوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے

---

(۱) مقدمہ اصابہ ج ۱ ص ۶

الاستیعاب :-

یہ حافظ ابو عمر یوسف بن عبداللہ (معروف ابن عبدالبر) نمری قرطبی متوفی ۴۶۳ھ کی تصنیف ہے، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ امام ابوالولید الباجی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

له توالیف لا مثل لها منها کتاب الاستیعاب فی الصحابة لیس لاحد مثله۔ [۱]	علامہ ابن عبدالبر کی بہت سی تالیفات ہیں جنکی مثال نہیں۔ ان میں سے ایک ہے "الاستیعاب" اس جیسی تصنیف کسی کی نہیں

صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں :-

هو کتاب جلیل القدر ذکر فیه اولاً خلاصة سیرة نبینا علیه الصلوٰة والسلام ثم رتب الاصحاب علی ترتیب الحروف لاهل الغرب وجمع من فیه باسماء وکنیته ثلاثة الاف و خمس مأة ترجمة۔ [۲]	یہ کتاب جلیل القدر ہے، پہلے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا خلاصہ ذکر کیا گیا ہے۔ تمام صحابہ جو اس میں نام اور کنیت کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں۔

حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ "معرفت صحابہ" کے متعلق لکھتے ہیں :-

هذا علم کبیر قد الف الناس فیه کتبا کثیرة ومن اجلها و	معرفت صحابہ بڑا علم ہے۔ لوگوں نے اسمیں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۳۰۷ (۲) کشف الظنون۔ ج ۱ ص

اکثرها فوائد "کتاب الاستیعاب لابن عبد البر لولا ما شانه به من ایراده کثیراً مما شجر بین الصحابة وحکایاته من الاخباریین لا المحدثین وغالب علی الاخباریین الاکثار والتخلیط فیما یروونه [1]	جلیل القدر اور کثیر الفوائد ابن عبد البر کی کتاب "الاستیعاب" ہے۔ اگر وہ اس کو صحابہؓ کے اختلافات اور محدثین کی بجائے اخباریوں سے ان کی حکایات کے ساتھ عیب دار نہ کر لیتا حالانکہ اخباریوں پر کثرت روایت اور روایات میں خلط کا غلبہ ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ تسمیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وسمی کتابه بالاستیعاب لظنه انه استوعب ما فی کتب من قبله ومع ذلک ففاته شیئ کثیر. [2]	ابن عبد البر نے اپنی کتاب کا نام استیعاب رکھا اس خیال سے کہ انہوں نے پہلی کتابوں میں جو کچھ ہے اس کا استیعاب کر لیا ہے۔ اس کے باوجود ان سے بہت کچھ رہ گیا ہے۔

اسد الغابہ:۔

یہ عزالدین ابو الحسین ابن اثیر جزری متوفی ۶۳۰ھ کی تصنیف ہے۔ یہ پانچ جلدوں میں ہے۔ فاضل مصنف نے اس میں پہلی اکثر کتابوں کو جمع کر دیا ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

جمع فیه کثیراً من التصانیف المتقدمة — مصنف نے اکثر پہلی کتابوں کو اس میں جمع کر دیا ہے۔

---

(۱) مقدمہ ابن صلاح۔ ص ۲۶۲ طبع جدید (۲) مقدمہ اصابہ۔ ج ۱ ص ۲

آگے چل کر اسمیں مذکور صحابہ کرام کی تعداد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

رأیت بخط الذھبی ان جمیع من فی اسد الغابة سبعة آلاف وخمس مأة واربعة وخمسون نفساً [1]	میں نے علامہ ذہبی کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ "اسد الغابہ" میں کل ۷۵۵۴ صحابہ کرامؓ کا ذکر ہے۔

لیکن یہ تعداد خالص صحابہؓ کی نہیں بلکہ غلطی سے بعض غیر صحابہ بھی اسمیں آگئے ہیں۔ اور یہ غلطی ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ ہی سے نہیں ہوئی بلکہ اس میں انہوں نے اپنے پیشرو مؤلفین کی اتباع کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

انه تبع من قبله فخلطوا من ليس صحابياً بهم [2]	مصنف نے پہلوں کے اتباع میں غیر صحابہ کو صحابہؓ کے ساتھ ملا دیا ہے

الاصابہ :-

یہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ صاحب "الرسالہ المستطرفہ" لکھتے ہیں :-

جمع فيه ما في الاستيعاب و ذيولاته و اسد الغابة و التجريد و زاد عليهم كثيراً لكنه مات قبل عمل المبهمات	حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں استیعاب اور اس کے ذیول اور اسد الغابہ اور تجرید کو جمع کر دیا ہے لیکن مبہمات کی تکمیل سے قبل فوت ہو گئے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ميزت فيه الصحابة من غيرهم	میں نے اسمیں صحابہ کو غیر صحابہ سے الگ کر دیا ہے۔

---

(۱) مقدمہ اصابہ - ج ۱ - ص ۲-۳ (۲) مقدمہ اصابہ - ج ۱ - ص ۴

چنانچہ انہوں نے اس کتاب کو چار اقسام پر ترتیب دیا ہے۔ پہلی قسم میں ایسے صحابہؓ کا ذکر کیا ہے جنہوں نے سن تمیز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ اور دوسری قسم میں ایسے صحابہؓ کا ذکر کیا ہے جنہوں نے سن تمیز سے قبل آپ کو دیکھا یا تحنیک وغیرہ کی غرض سے آپ کی خدمت میں لائے گئے۔ اور تیسری قسم میں مخضرمین کا ذکر کیا ہے۔ اور چوتھی قسم میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو غلطی سے کتب صحابہ میں ذکر ہوتے چلے آئے۔

اسی نام کی ایک کتاب حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے شمس الدین محمد الجزری م ۸۳۳ھ نے بھی لکھی ہے۔ لیکن وہ اسد الغابہ کا اختصار ہے۔

صحابہ کرامؓ کی کل تعداد

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کل تعداد کے متعلق قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا، البتہ مشہور ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب تھی لیکن بہت کچھ تلاش کرنے کے باوجود اس کی کوئی نقل نہیں مل سکی۔ البتہ جن صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور روایت کی، امام ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ان کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن مائۃ الف واربعۃ عشر الفا من الصحابۃ ممن روی عنہ وسمع منہ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ چھوڑ کر وفات پائی، جنہوں نے آپ سے روایت کی اور سنا۔

ابن فتحون رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن عبدالبر کی "الاستیعاب" پر ذیل لکھی ہے۔ اس میں امام ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

اجاب ابو زرعۃ بھذا سؤال من سألہ عن الرواۃ خاصۃ فکیف بغیرھم [2]

امام ابو زرعہؒ کا یہ قول اس شخص کے جواب میں ہے جس نے بالخصوص رواۃ صحابہؓ کے متعلق سوال کیا تھا پس ان کے علاوہ اور کتنے صحابہ ہوں گے۔

---

(۱) مقدمہ اصابہ۔ ج ۱۔ ص ۳
مقدمہ ابن صلاح۔ ص ۲۲۸ طبع جدید

(۲) مقدمہ اصابہ۔ ج ۱۔ ص ۴

بہرحال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار سے زائد ہے۔ جس میں مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، قدیم الاسلام اور نومسلم سب شامل ہیں۔

اور یہ سب یکساں طور پر شرفِ صحبت سے مشرف ہیں۔ البتہ مراتب میں فرق ہے۔ ——————

صحابہ کرامؓ میں فرقِ مراتب

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں فرقِ مراتب بجا ہے، اور اس کی اصل حق تعالیٰ شانہ کا یہ ارشاد ہے:-

لا یستوی منکم من انفق	برابر نہیں تم میں جس نے کہ خرچ کیا فتح مکہ
من قبل الفتح و قاتل اولئک	سے پہلے اور لڑائی کی - ان لوگوں کا درجہ
اعظم درجۃ من الذین انفقوا	بڑا ہے ان سے جو کہ خرچ کریں اس کے
من بعد و قاتلوا وکلا وعد اللہ	بعد اور لڑائی کریں اور سب سے وعدہ کیا
الحسنی واللہ بما تعملون خبیر	ہے اللہ نے خوبی کا اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

لیکن فرقِ مراتب بیان کرنے کا یہ انداز بالکل غلط ہے کہ بعض صحابہؓ کے لیے تزکیہ و تربیت کے بعض پہلوؤں کے اعتبار سے نقص کا اثبات کیا جائے - اس کے معنی تو یہ ہوں گے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی تعدیل و تزکیہ میں غلط بیانی یا مبالغہ سے کام لیا ہے - "فتعالی من ذلک" اور امت نے ان کی صداقت، نزاہت اور عدالت پر اجماع کرنے میں غلطی کی ہے - اس لیے فرقِ مراتب بیان کرنے میں ادب یہ ہے کہ ایسے انداز سے مراتب کا فرق بیان کیا جائے کہ کسی ذی شان کی شان میں تنقیص نہ ہو۔ خود انبیاء کاملین کے لیے نصِ قرآنی میں "فضلنا بعضھم علی بعض"

سے فرق مراتب ظاہر ہے۔ لیکن اس فرق کو بیان کرنے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح تعلیم دی ہے۔ ارشاد نبوی ہے :-

لا تفضلونی علی یونس بن متی — مجھے یونس ابن متی پر فضیلت نہ دو۔

یعنی اس انداز سے میری فضیلت بیان نہ کرو کہ اس سے یونس بن متی (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہو یہی ادب صحابہ کرام میں فرق مراتب کے وقت ملحوظ رکھا جانا چاہیے اہلسنت کے عقیدہ کے مطابق صحابہ کرام میں فرق مراتب کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ تمام صحابہ تمام پہلوؤں سے کامل تھے لیکن ان میں سے بعض اکمل تھے بتقدیر صحت حدیث "اصحابی کالنجوم" میں اسی فرق مراتب کی طرف اشارہ ہے۔ جس طرح ہر ستارہ اپنی ذات اور وجود کے اعتبار سے کامل اور روشن ہوتا ہے اور بعض، بعض کی نسبت زیادہ روشن ہوتے ہیں، لیکن ان میں سے کسی کی طرف بھی نقص کی نسبت نہیں کی جاسکتی، صحابہ کرام کی مثال بھی یہی ہے۔

خود رب العزت نے صحابہ میں فرق مراتب کا یہی ادب بتایا کہ کسی طرف نقص کی نسبت نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ایک حدیث قدسی کے الفاظ ہیں :-

یا محمد ان اصحابک عندی بمنزلۃ النجوم بعضها اضوء من بعض۔ — اے محمد تیرے صحابہ میرے نزدیک بمنزلہ ستاروں کے ہیں کہ بعض بعض سے زیادہ روشن ہیں۔

اس حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو ستاروں کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور پھر ستاروں میں کسی کی طرف بھی نقص کی نسبت نہیں کی بلکہ فرمایا : "بعضها اضوء من بعض" یعنی ان میں سے بعض زیادہ روشن ہیں۔ لہٰذا ادب یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام میں سے کسی کی طرف بھی نقص کی نسبت نہ کی جائے۔ اس موقع پر "زلات" کو زیر بحث لاکر غلط بحث نہ کیا جائے۔ کیونکہ انتہائی مراتب کمال پر فائز ہوجانے کے بعد بھی کسی

کامل سے اس کے مناسب شان زلہ کا صدور ممکن ہے۔ اور اس سے اس کے مرتبہ کمال میں نقص لازم نہیں آتا۔ غیر معصوم سے صدور معصیت اور اسکے غیر قادح ہونے کی بحث عدالت صحابہ کرامؓ کی بحث کے بعد قدرے تفصیل کے ساتھ آرہی ہے۔

افضل الصحابہؓ

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الفصل" میں "الکلام فی وجوہ الفضل والمفاضلة بين الصحابة" کے زیر عنوان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان مفاضلت اور وجوہ فضیلت پر مفصل کلام کیا ہے۔ افضل الصحابہؓ کے متعلق حسب ذیل متعدد اقوال نقل کیے ہیں :

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل الامت حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، یہ قول بعض اہل السنۃ اور بعض معتزلہ اور بعض مرجیہ اور تمام شیعہ کی طرف منسوب کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ بعض صحابہؓ اور تابعینؒ کی ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پوری امت سے افضل حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ہیں۔ یہ قول انہوں نے تمام خوارج اور بعض اہل السنۃ اور بعض معتزلہ اور بعض مرجیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

(۳) تمام صحابہؓ سے افضل جعفرؓ بن ابی طالب ہیں۔ یہ قول حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔ اور فرمایا کہ ابو عاصم نبیل اور عیسیٰ بن حاضر بھی اسی کے قائل ہیں اور عیسیٰ بن حاضر حضرت جعفرؓ کے بعد حضرت حمزہؓ کی افضلیت کے قائل ہیں۔

(۴) تمام صحابہ سے افضل حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت زبیرؓ بن العوام ہیں۔

یہ قول بعض صحابہؓ کی طرف منسوب ہے۔

(۵) سعد بن معاذ، اسید بن حضیر، عباد بن بشر تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ یہ قول حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب ہے۔

(۶) ابو مسلم تمام صحابہؓ سے افضل ہیں۔ یہ قول ام سلمہؓ کی طرف ہے۔

(۷) مسروق بن اجدع، تمیم بن حزم، ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ افضل الصحابہ ہیں۔

(۸) بعض عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو پوری امت پر فضیلت دیتے تھے۔ حتیٰ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر بھی حاکم نیسا پوری اسی طرف مائل ہیں۔

(۹) داؤد بن علی ظاہری فرماتے ہیں کہ کسی خاص صحابی کو کسی پر فضیلت دینا درست نہیں ہے۔ البتہ صحابہؓ کرام بحیثیت مجموعی پوری امت سے افضل ہیں اور صحابہ کرامؓ میں سے مہاجرین اولین، پھر انصار اولین۔

ان تمام اقوال کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات تمام امت سے افضل ہیں پھر ابوبکر صدیقؓ اور باقی تمام صحابہ یکساں ہیں۔

پھر اس کے بعد وجوہِ فضیلت اور ازواجِ مطہرات کی فضیلت کے دلائل بیان کرتے ہوئے دور تک چلے گئے ہیں۔[1]

مذکورہ بالا صحابہ کرام میں سے کسی کے فضائل سے بھی انکار نہیں۔ اور خصوصاً ازواجِ مطہرات مومنین کی مائیں ہونے کے اعتبار سے خصوصیت کے ساتھ قابلِ احترام ہیں، لیکن یہ تمام اقوال اہلسنت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف ہیں۔

---

(۱) الفصل

ذیل میں عقائد اور شروح حدیث کی کتابوں سے علماء کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں

عقائد کی مشہور کتاب فقہ اکبر میں ہے (یہ کتاب عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔)

افضل الناس بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم ابو بكر رضي الله عنه ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان ثم علي ابن ابي طالب رضوان الله تعالى عليهم اجمعين

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر عمر بن خطاب پھر عثمان بن عفان پھر علی ابن ابی طالب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں :-

وتفضيل ابي بكر وعمر رضي الله عنهما متفق عليه بين اهل سنة وهذا الترتيب بين عثمان وعلي رضي الله عنهما وهو ما عليه اكثر اهل سنة "

حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت اہلسنت کے درمیان متفق علیہ ہے اور یہی ترتیب حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے درمیان ہے۔ اکثر اہل سنت کی یہی رائے ہے۔

ایک سطر کے بعد لکھتے ہیں :-

وروى عن ابي حنيفة تفضيل علي على عثمان والصحيح ما عليه جمهور اهل سنة وهوا

اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت عثمان پر حضرت علی کی افضلیت منقول ہے اور صحیح جمہور اہلسنت ہی کی رائے اور

الظاہر من قول ابی حنیفة علی ما رتبه هنا وفق مراتب الخلافة (۱)

در حقیقت امام صاحب کا قول بھی یہی معلوم ہوتا ہے چنانچہ انہوں نے افضلیت کی ترتیب میان مراتب خلافت کے موافق بیان فرمائی ہے۔

عقائد نسفی میں بھی خلفاء راشدین کے درمیان افضلیت کی یہی ترتیب بیان کی گئی ہے۔ علامہ سعدالدین تفتازانی شرح عقائد نسفی لکھتے ہیں:۔

علی هذا الترتیب وجدنا السلف وانظر انه لو لم یکن لهم دلیل علی ذلک لما حکموا بذلک "

ہم نے سلف کو اسی ترتیب کے قائل پایا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہ ہوتی تو وہ کبھی اس کا حکم نہ دیتے۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ افراط کی حد تک اہل بیت سے محبت رکھتے تھے۔ اس لیے انہوں نے سلف کے برعکس قول کہ اہل سنت کی دو علامتیں ہیں، شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کی افضلیت کا عقیدہ رکھنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو داماد (علیؓ و عثمانؓ) سے محبت رکھنا، یہ نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی ہے کہ سلف حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے درمیان افضلیت کے قول سے توقف کرتے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں:۔

وکان السلف کانوا متوقفین فی تفضیل عثمانؓ علی علیؓ حیث جعلوا من علامات السنة والجماعة

گویا سلف حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ پر فضیلت دینے میں متوقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کی

---

(۱) فقہ اکبر مع شرح ملا علی قاری۔ ص ۶۷

تفضیل الشیخین ومحبۃ الختنین۔ — افضلیت کے عقیدہ کو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر دو داماد (عثمانؓ و علیؓ) کی محبت کو اہل سنت کی علامت قرار دیتے ہیں

یہ قول جس پر علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان افضلیت کا قول کرنے سے توقف کی بنیاد رکھی ہے ، حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے ۔ شاید اسی قول کی بنا پر غلط فہمی سے کسی نے امام صاحب کی طرف یہ بات منسوب کر دی ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ پر حضرت علیؓ کی فضیلت کے قائل تھے ۔ حالانکہ نہ تو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عقائد میں امام صاحب سے اس قسم کی کوئی بات نقل کی ہے اور نہ ہی بعد والوں میں سے کسی نے اس کی تصریح کی ہے چنانچہ امام ابن حزمؒ یا امام ابن تیمیہؒ اور امام نوویؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے ان لوگوں کے نام شمار کرتے ہوئے جو حضرت عثمانؓ پر حضرت علیؓ کی افضلیت یا توقف کے قائل ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ حضرت امام مالکؒ ، حضرت خزیمہؒ اور کچھ دوسرے حضرات کے نام لیے ہیں لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام ذکر نہیں کیا ، چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

قال بعض اهل السنة من اهل الكوفة بتقديم عليٌّ على عثمانؓ والصحيح المشهور تقديم عثمانؓ۔ — اہل کوفہ میں سے بعض اہل سنت حضرت عثمانؓ پر حضرت علیؓ کی فضیلت کے قائل ہیں ۔ صحیح اور مشہور حضرت عثمانؓ کی افضلیت ہے ۔

امام نوویؒ کے قول "بعض اہل کوفہ" سے حضرت سفیان ثوریؒ بھی مراد لیے جا

سکتے ہیں، کیونکہ ان کی طرف بھی یہی بات منسوب ہے۔ لیکن اِنکا بھی اس سے رجوع ثابت ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔

وذهب بعض السلف الى تقديم علىؓ على عثمانؓ قال به سفيانؒ الثورى ويقال انه رجع و قال به خزيمة وطائفة، قبله و بعده۔ [1]	اور بعض سلف حضرت عثمانؓ پر حضرت علیؓ کی افضلیت کی طرف گئے ہیں چنانچہ سفیان ثوریؒ اسی کے قائل ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے رجوع کر لیا تھا اور حضرت خزیمہ بھی اسی کے قائل ہیں اور ان سے پہلے اور بعد بھی ایک جماعت اسی کی قائل رہی ہے

آگے متوقفین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وقيل لا يفضل احد هما على الآخر قاله مالك فى المدونة وتبعه جماعة منهم يحيى القطان ومن المتاخرين امام ابن حزم [2]	اور بعض نے کہا ہے کہ دونوں حضرات (عثمانؓ و علیؓ) میں سے کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں دی جائے گی۔ یہ بات امام مالکؒ نے مدونہ میں کہی ہے اور ایک جماعت نے انکی پیروی کی ہے۔ انہی میں یحیٰی قطان میں اور متاخرین میں سے امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ رحمۃ اللہ علیہ نے توقف کی نسبت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف

---

(۱) فتح الباری۔ ج ۷۔ ص ۱۳ (۲) فتح الباری۔ ج ۷۔ ص ۱۳

کی ہے۔ لیکن حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع بھی ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں :-

و اکثر علمائے اہل سنت برآن اند کہ افضل بعد از شیخین عثمان رضی اللہ عنہ است پس علی رضی اللہ عنہ و مذہب ائمہ اربعۂ مجتہدین نیز ہمیں است و توقفے کہ در تفضیل عثمان رضی اللہ عنہ از امام مالک نقل کردہ اند قاضی عیاض گفتہ کہ ازاں رجوع کردہ است از توقف بسوئے تفضیل عثمان و قرطبی گفتہ است ہو الاصح ان شاء اللہ تعالیٰ

اکثر علماء اہل سنت اس مسلک پر ہیں کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہم کے بعد افضل ترین امت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ اور ائمہ اربعہ کا مذہب یہی ہے اور بعض لوگوں نے جو امام مالکؒ سے افضلیت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں توقف نقل کیا ہے۔ اس کے متعلق امام قاضی عیاض مالکیؒ کا بیان ہے کہ امام مالک نے اس سے رجوع فرمایا تھا اور آخر الامر تفضیل عثمان کے قائل ہوگئے تھے اور علامہ قرطبیؒ نے بھی اس کی تصدیق و تصحیح کی ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے متاخرین میں سے امام ابن حزمؒ کی طرف بھی توقف کی نسبت کی ہے۔ حالانکہ "الفصل" میں ابن حزمؒ نے بڑی صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :-

اختلف الناس فیمن افضل عثمان رضی اللہ عنہ ام علی رضی اللہ عنہما والذی یقع فی نفوسنا دون ان نقطع

حضرت عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے کہ ان میں سے کون افضل ہے، عثمانؓ یا علیؓ

به ولا نخطئ من خالفنا في ذلك وهو ان عثمان رض افضل من علي رض والله اعلم له

اور اس بارے میں جو بات ہمارے دل میں کھٹکتی ہے، بدوں اس کے کوئی قطعی فیصلہ دیں اور مخالفین کو خطا کار کہیں، پس وہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ سے افضل ہیں۔ واللہ اعلم

اہم پس منظر

بات یہ چل رہی تھی کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان افضلیت کے قول سے توقف کی نسبت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کسی نے غلط فہمی کی بنا پر کر دی ہے۔ اور اس کی بنیاد یا تو تشریحات حدیث کی عبارات بعض اہل کوفہ کا لفظ ہے یا وہ کا یہ قول کہ اہل سنت کی علامات میں سے شیخینؓ کی افضلیت کا عقیدہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برگزیدہ داماد حضرت عثمانؓ و حضرت علی رضی اللہ عنہما کی محبت ہے۔ بعض اہل کوفہ کا مصداق تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت سفیان ثوریؒ بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ ان کی طرف بھی توقف کی نسبت ہے اور امام صاحب کے اس قول سے توقف پر استدلال کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے درمیان افضلیت کے اعتقاد کی بجائے ان دونوں کی محبت اہل سنت کی علامت بننے کی زیادہ اہمیت رکھتی ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ قاتلین عثمانؓ سے خون کا بدلہ نہ لینے کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کے عقیدتمند حضرت علیؓ سے بغض رکھنا شروع کر دیں اور اس طرح

مقابلہ میں حضرت علیؓ کے عقیدتمند حضرت عثمانؓ سے بغض رکھنا شروع کر دیں۔ اسلیے کہا گیا کہ دونوں حضرات سے محبت رکھنا اہل سنت کی علامت ہے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں :۔

کیف و کتب الحنفیۃ مشحونۃ بان افضلیتھم علی ترتیب خلافتھم ۔ (۱)

یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے متعلق توقف یا عدم تفاضل مابین حضرت عثمانؓ و علیؓ کا خیال کیونکر قائم کیا جا سکتا ہے حالانکہ کتب حنفیہ اس تصریح سے بھری پڑی ہیں کہ انکی افضلیت علی ترتیب خلافت ہے

لیکن حضرت امام ابوحنیفہ سے اگر کوئی روایت اس قسم کی ہو بھی تو انکا ظاہر مذہب اس کے خلاف ہے چنانچہ شارح عقیدہ طحاویہ لکھتے ہیں :۔

و قد روی عن ابی حنیفۃ تقدیم علیؓ علی عثمانؓ و لکن ظاھر مذھبہ تقدیم عثمانؓ علی علیؓ و علی ھذا عامۃ اھل السنۃ ۔ (۲)

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے حضرت علیؓ کی حضرت عثمانؓ پر فضیلت منقول ہے لیکن ان کا ظاہر مذہب عثمانؓ کی فضیلت ہے علیؓ پر۔ اور عام اہل سنت کی بھی یہی رائے ہے۔

اس سے قبل خلفاء راشدین کی افضلیت پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

و ترتیب الخلفاء الراشدین رضی اللہ علیھم اجمعین

فضیلت میں خلفائے راشدین کی ترتیب خلافت میں ترتیب کی طرح ہے اور حضرت

(۱) ... (۲) شرح عقیدہ طحاویہ ۔ ص ۴۰۹

فی الفضل کتب تبیعهم فی
الخلافة ولابی بکر وعمر
رضی الله عنهما من المزیة

ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے مزید
فضیلت ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کرام کے درمیان مفاضلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال الامام ابو عبد الله المازری
اختلف الناس فی تفضیل بعض
الصحابة علی بعض فقالت
طائفة لا تفاضل بل تمسک
من ذلک وقال الجمهور
بالتفضیل ثم اختلفوا فقال
اهل السنة افضلهم ابوبکرؓ
الصدیق وقال الخطابیة
افضلهم عمر بن الخطاب
وقالت الراوندیة افضلهم
العباس وقالت الشیعة علیؓ

امام ابو عبداللہ مازری فرماتے ہیں کہ
بعض صحابہ کو بعض پر فضیلت دینے میں
لوگوں کا اختلاف ہے، ایک جماعت یہ
کہتی ہے کہ صحابہ کے درمیان کوئی تفاضل
نہیں بلکہ اس معاملہ میں خاموش رہنا
چاہیے اور جمہور تفضیل کے قائل ہیں پھر ان
کا بھی آپس میں پھر اختلاف ہے۔ اہلسنت
کے نزدیک ابوبکرؓ افضل ہیں اور خطابیہ
کے نزدیک عمرؓ بن خطاب اور راوندیہ
کے نزدیک حضرت عباسؓ افضل ہیں
اور شیعہ کے نزدیک حضرت علیؓ۔

اختلاف نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

واتفق اهل السنة علی ان
افضلهم ابوبکرؓ ثم عمرؓ وقال
بعض اهل السنة من

اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ
صحابہؓ میں افضل ابوبکرؓ ہیں، پھر عمرؓ،
جمہور نے کہا پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہما

اھل الکوفۃ بتقدیم علیؓ	اہلِ کوفہ میں سے بعض اہلِ سنت کا قول
علی عثمانؓ و الصحیح المشھور	ہے کہ علیؓ عثمانؓ پر مقدم ہیں ۔
تقدیم عثمانؓ ۔	
قال ابو منصور البغدادیؒ	ابو منصور بغدادی فرماتے ہیں ہمارے
اصحابنا مجمعون علی ان	اصحاب کا اجماع ہے کہ صحابہ کرام میں سے
افضلھم الخلفاء الاربعۃ	خلفاء اربعہ بترتیب خلافت افضل ہیں پھر
علی الترتیب المذکور ثم	عشرہ مبشرہ پھر اہلِ بدر پھر احد ثم اہلِ بیعت
تمام العشرۃ ثم اھل بدر ثم	رضوان ، انصار اہل العقبتین میں سے
احد ثم بیعۃ الرضوان وممن	صاحب فضیلت اور ایسے ہی سابقین اولین
لہ مزیۃ اھل العقبتین	اور ابن مسیب اور ایک جماعت کے قول
من الانصار وکذلک	کے مطابق یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بیت اللہ
السابقون الاولون وھم من	اور بیت المقدس دونوں کی طرف نمازیں
صلی الی القبلتین فی قول	پڑھی ہیں اور شعبیؒ کے قول کے مطابق
ابن المسیب وطائفۃ ، وفی	بیعت رضوان والے اور عطاؒ اور محمد
قول الشعبی اھل بیعۃ	بن کعب کے قول کے مطابق اہلِ بدر ،
الرضوان وفی قول عطاء و	
محمد بن کعب اھل بدر[1]	

اہلِ سنت کا یہ عقیدہ بخاری شریف کی بعض روایات سے ماخوذ ہے ۔ حضرت

---

(۱) شرح صحیح مسلم (نوویؒ) ۔ ج ۲ ۔ ص ۲۷۲

ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

کنا نخیر بین الناس فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنخیر ابا بکرؓ ثم عمرؓ ثم عثمانؓ	ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض کو بعض سے خیر قرار دیتے تھے پس ہم سب سے پہلے ابوبکر کو خیر کہتے تھے پھر عمر کو پھر عثمان کو (رضی اللہ عنہم اجمعین)

ابن عمرؓ ہی کی ایک روایت میں ہے :-

کنا لا نعدل بابی بکرؓ احدا ثم عمرؓ ثم عثمانؓ ثم نترک اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا نفاضل بینھم	نہیں برابر سمجھتے تھے ہم کسی کو ابوبکرؓ کے پھر عمرؓ کے پھر عثمانؓ کے پھر چھوڑ دیتے تھے صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو، پس نہیں مفاضلہ کرتے تھے ان کے درمیان۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری روایت میں ہے :-

کنا نقول و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی افضل امۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعدہ ابوبکرؓ ثم عمرؓ ثم عثمانؓ۔	ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں کہا کرتے تھے کہ آپ کی امت میں سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ پھر عثمانؓ ۔

طبرانی نے اس پر حسب ذیل مزید الفاظ روایت کیے ہیں :-

فیسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذلک فلا ینکرہ ۔	پس آنحضرت صلی اللہ علیہ اسکو سنتے اور انکار نہ فرماتے ۔

ابن عمرؓ ہی کی ایک روایت میں ہے :-

کنا نقول اذا ذهب ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ استوی الناس فیسمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذلک فلا ینکرہ	ہم کہا کرتے تھے کہ جب ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم دنیا سے تشریف لے جائیں گے تو لوگ برابر ہو جائیں گے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سنتے اور انکار نہ فرماتے۔

شیخ الاسلام ابن حجر رحمۃ اللہ ان تمام روایات کو ذکر کر کے فرماتے ہیں :۔

وفی الحدیث تقدیم عثمانؓ بعد ابی بکرؓ وعمرؓ کما ھو المشھور عند جمھور اھل السنۃ [1]	حدیث سے ابوبکر و عمر کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ جمہور اہل سنت کے ہاں مشہور ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت پر علامہ ابن عبدالبر نے کچھ اعتراضات کیے ہیں۔ حافظ علیہ الرحمۃ ان کے جوابات دینے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں۔

وذھب قوم الی ان افضل الصحابۃ من استشھد فی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعین بعضھم منھم جعفرؓ بن ابی طالب ومنھم من ذھب الی العباسؓ وھو قول مرغوب عنہ لیس قائلہ من	کچھ لوگ اس طرف گئے ہیں کہ صحابہ میں سے افضل وہ لوگ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں شہید ہو گئے ہیں اور ان میں سے بعض نے جعفر بن ابی طالب کی تعیین کی ہے۔ اور بعض حضرت عباس کی طرف

(۱) فتح الباری ۔ ج ۷ ۔ ص ۱۳

اهل السنة بل ولا من	گئے ہیں (لیکن) یہ قول مرغوب عنہ ہے'
اهل الایمان ومنهم من قال	اسکا قائل اہل سنت بلکہ اہل ایمان ہی سے
افضلهم مطلقا عمرؓ تمسکا	نہیں۔ اور انہیں سے بعض نے کہا کہ
بالحدیث الاٰتی فی ترجمته	افضل الصحابہ مطلقاً حضرت عمرؓ ہیں۔ انہوں
فی المنام الذی فیه فی حق	نے آنحضرت ﷺ کے اس خواب والی حدیث سے
ابو بکر" وفی نزعه ضعف"	استدلال کیا ہے جس میں حضرت ابوبکرؓ کے متعلق
وهو تمسك واهٍ (۱)	ہے کہ ابوبکرؓ کے ڈول کھینچنے میں ضعف تھا
	لیکن یہ نہایت بودہ استدلال ہے۔

آگے بیہقی کی کتاب "الاعتقاد" کے حوالہ سے ابو ثور کے واسطہ سے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا حسب ذیل ارشاد نقل کیا ہے۔

من الشافعی انه قال اجمع	حضرت امام شافعیؒ سے منقول ہے،
الصحابة واتباعهم علی افضلیة	انہوں نے فرمایا کہ ابوبکرؓ پھر عمرؓ پھر عثمانؓ پھر
ابی بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی	علیؓ کی افضلیت پر صحابہؓ و تابعینؒ کا
رضوان الله علیهم اجمعین	اجماع ہے (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

حضرت محمد بن الحنفیہؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت علیؓ سے سوال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سے افضل کون ہے، تو انہوں نے فرمایا کہ ابوبکرؓ۔ انہوں نے کہا کہ پھر کون تو فرمایا عمرؓ۔ حافظ ابن حجرؒ اس کے تحت لکھتے ہیں :-

---

(۱) فتح الباری - ج ۷ - ص ۱۳

انعقد الاجماع بآخرة بين	تمام اہل سنت کا اجماع ہے کہ
اهل السنة ان ترتيبهم فی	خلفاء کی ترتیب فضیلت میں خلافت
الفضل كترتيبهم فی الخلافة	کی ترتیب کے مطابق ہے۔
رضی الله عنهم اجمعين	

اس کے بعد عقیم سے ابن حجر قرطبی کے کلام کا حوالہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

فالمقطوع به بين اهل السنة	اہل سنت کے درمیان قطعی عقیدہ ابوبکر
بافضلية ابي بكرؓ ثم عمرؓ ثم	پھر عمرؓ کی افضلیت کا ہے۔ ان دونوں
اختلفوا فيمن بعدهما فی الجمهور	کے بعد افضل میں اختلاف ہے۔ جمہور
علی تقديم عثمانؓ ومن مالكؓ	حضرت عثمانؓ کی تقدیم پر ہیں اور امام
التوقف والمسئلة اجتهادية	مالک سے توقف منقول ہے۔ بہرحال
ومستندها ان هولاء الاربعة	مسئلہ اجتہادی ہے۔ اسکا مستند یہ ہے
اختارهم الله تعالٰی لخلافة نبيه	کہ اللہ تعالٰی نے ان چاروں کو اپنے نبی کی
اقامة دينه رضيه فمنزلتهم عنده	خلافت کے لیے چن لیا تھا۔ پس ان کا
بحسب ترتيبهم فی الخلافة	مرتبہ خلافت کی ترتیب پر ہے۔
(والله اعلم) [1]	

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ بیعت عثمان رضی اللہ عنہ اور چھ آدمیوں کی مجلس شوریٰ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقرر کر گئے تھے اس سے چار ارکان کی دستبرداری کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے تمام اہل مدینہ

---

(۱) فتح الباری - ج ۷ - ص ۲۶

حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما میں سے افضل اور احق بالخلافۃ کے متعلق دریافت کرنے کا مفصل قصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ثم نهض عبد الرحمن بن عوف رضي الله عنه يستشير الناس فيهما ويجمع رأي المسلمين برأي رؤوس الناس وأقيادهم جميعا وأشتاتا مثنى وفرادى ومجتمعين سرا وجهرا حتى خلص إلى النساء المخدرات في حجابهن وحتى سأل الولدان في المكاتب وحتى سأل من يرد من الركبان والأعراب إلى المدينة في مدة ثلاثة أيام بلياليها فلم يجد اثنين يختلفان في تقدم عثمانؓ بن عفان إلا ما ينقل عن عمار والمقداد أنهما أشارا بعليؓ بن أبي طالب ثم بايعا مع الناس[1]

پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے بارے میں لوگوں سے مشورہ لیتے رہے اور ان کی آراء کو جمع کرتے رہے۔ سرداروں اور قائدین کی رائے، سب کو اکٹھے اور الگ الگ اور متفرق افراد سے، دو دو، اکیلے اکیلے اور مجمع لوگوں سے، خفیہ اور علانیہ یہاں تک کہ پردہ دار عورتوں سے ان کے پردہ میں تنہائی میں جا کر اور یہاں تک کہ بچوں سے مکاتب میں سوال کیا اور سواروں اور اعراب سے جو مدینہ آتے ان سے سوال کرتے، تین دن رات اسی طرح کرتے رہے۔ پس دو آدمی بھی ایسے نہیں پائے جو حضرت عثمانؓ کی تقدیم میں مختلف ہوں مگر حضرت عمار اور مقداد رضی اللہ عنہما سے جو منقول ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کا مشورہ دیا (لیکن) پھر انہوں نے بھی لوگوں کے ساتھ حضرت عثمانؓ سے بیعت کر لی۔

---

(۱) البدایہ والنہایہ ۔ ج ۷ ۔ ص ۱۴۶

ایک سطر بعد آگے فرماتے ہیں :۔

او فلم یجد احداً یعدل بعثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ۔

پس کوئی آدمی ایسا نہیں پایا جو حضرت عثمانؓ کے برابر ہو۔

بجائے خود امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کوئی کم شہادت نہیں۔ تاہم امام بخاریؒ نے بھی صحیح میں اس پورے قصہ کو الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اسمیں ہے کہ جب لوگ مقررہ وقت پر جمع ہوگئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا:۔

اما بعد یا علیؓ انی قد نظرت فی امر الناس فلم ارھم یعدلون بعثمان فلا تجعلن علی نفسک سبیلاً [1]

اے علیؓ! میں نے لوگوں کے معاملہ میں غور کیا، میں نے نہیں دیکھا کہ وہ کسی کو عثمانؓ کے برابر سمجھتے ہوں، پس تم اپنے اوپر ملامت کو راہ نہ دینا۔

عارف ربانی امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں :۔

المبحث الثالث والاربعون فی بیان ان افضل الاولیاء المحمدین بعد الانبیاء و المرسلین ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ عنہم اجمعین

تینتالیسواں مبحث اس بات میں کہ محمدی اولیاء میں سے انبیاء و مرسلین کے بعد سب سے افضل ابوبکرؓ پھر عمرؓ، پھر عثمان، پھر علیؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔

---

(۱) شرح عقیدہ طحاویہ۔ ص ۴۹۹ ۔ صحیح بخاری۔ ج ۲۔ ص ۱۰۷۰

آگے فرماتے ہیں :-

وھذا الترتیب بین ھؤلاء الاربعۃ الخلفاء قطعی عند الشیخ ابی الحسن الاشعری ظنی عند القاضی ابی بکر الباقلانی [1]	ان چار خلفاء کے درمیان یہ ترتیب شیخ ابوالحسن اشعری کے نزدیک قطعی ہے اور قاضی ابوبکر باقلانی کے نزدیک ظنی ہے۔

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں شیخین رضی اللہ عنہما کی فضیلت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

افضلیت حضرات شیخین باجماع صحابہ و تابعین ثابت شدہ است چنانچہ نقل کردہ اند جماعت از اکابر ائمہ کہ یکے از ایشان امام شافعی است قال الشیخ الامام ابوالحسن الاشعری ان تفضیل ابی بکر ثم عمر علی بقیۃ الامۃ قطعی و تمہ تواتر عن علیؓ فی خلافتہ و کرسی مملکتہ و بین الجم الغفیر من شیعتہ ان ابا بکر و عمر افضل الامۃ [2]	حضرات شیخین (سیدنا ابوبکرؓ و سیدنا عمرؓ) کی افضلیت صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہے جیسا کہ اکابر ائمہ کی ایک جماعت نے اس کو نقل کیا ہے جن میں سے ایک امام شافعی بھی ہیں اور امام ابوالحسن اشعری نے فرمایا ہے کہ حضرت صدیق و فاروق کی افضلیت باقی تمام امت پر قطعی (غیر مشتبہ و یقینی) ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے تواتر کے طور پر ثابت ہے کہ آپ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں خاص اپنے دارالخلافہ میں اور اپنے حمایتیوں کی کثیر جماعت

---

(۱) الیواقیت والجواہر۔ ص ۲۲۱ (۲) دفتر دوم مکتوب ۱۵ ۔ ص ۲۸

کے سامنے اعلان فرمایا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ بہ گزیدہ امت ہیں۔

ایک اور مکتوب جس میں تمام ضروری عقائد تحریر فرما دیئے ہیں خلافت راشدہ اور خلفاء راشدین کے متعلق فرماتے ہیں:۔

امام برحق و خلیفہ مطلق بعد از حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات حضرت ابوبکر صدیق است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد از آں حضرت عمر فاروق است رضی اللہ عنہ بعد از آں حضرت عثمان ذوالنورین است رضی اللہ عنہ بعد از آں حضرت علی بن ابی طالب است رضوان اللہ تعالیٰ علیہم و افضلیت ایشاں بترتیب خلافت است و افضلیت حضرات شیخین باجماع صحابہ و تابعین ثابت شدہ است حضرت امیر کرم اللہ وجہہ میفرماید کسیکہ مرا بر ابی بکرؓ و عمرؓ فضل بدہد مفتری است و او را تازیانہ زنم چنانکہ مفتری را بزنند [1]

حضرت خاتم الانبیاء علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد خلیفہ مطلق امام برحق حضرت ابوبکر صدیق ہیں رضی اللہ عنہ ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے بعد حضرت عثمانؓ اور ان کے بعد حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان حضرات کی تفضیل بھی اسی ترتیب سے ہے یعنی سب سے بڑا درجہ حضرت صدیق اکبرؓ کا ہے، ان کے بعد فاروق اعظمؓ کا، ان کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کا بعد ازاں حضرت علی مرتضیٰؓ کا (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور شیخین کی افضلیت صحابہ و تابعین کے اجماع اور اتفاق سے ثابت ہے۔ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی مجھے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ پر فضیلت دیگا وہ مفتری ہے

---

(۱) دفتر دوم۔ مکتوب ۶۷۔ ص ۱۳۰

اور میں اسکو کوڑوں کی سزا دوں گا جس
طرح افترا کرنیوالوں کو دی جاتی ہے۔

شیخین رضؓ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں چونکہ بعض علماء سے
توقف منقول ہے اسلیے اس پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

اکثر علماء اہل سنت برآنند کہ
افضل بعد از شیخین عثمان رضؓ است
پس علی رضؓ و مذہب ائمہ اربعہ
مجتہدین نیز ہمیں است و توقف کہ در
تفضیل عثمان رضؓ از امام مالک نقل
کردہ اند قاضی عیاض گفتہ کہ او
رجوع کردہ است از توقف بسوئے
تفضیل عثمان رضؓ و قرطبی گفتہ است
ہو الاصح انشاء اللہ تعالیٰ۔
سلہ

اکثر علماء اہل سنت اس مسلک پر ہیں کہ
حضرات شیخین رضؓ کے بعد افضل ترین امت
حضرت عثمان رضؓ ہیں اور ان کے بعد حضرت
علی مرتضیٰ رضؓ اور ائمہ اربعہ کا مذہب یہی ہے اور
بعض لوگوں نے جو امام مالک سے فضیلت
عثمان رضؓ کے بارے میں توقف نقل کیا ہے
اسکے متعلق امام قاضی عیاض مالکی کا
بیان ہے کہ امام مالک نے اس سے رجوع
فرما لیا تھا اور آخر الامر تفضیل عثمان کے
قائل ہو گئے تھے اور علامہ قرطبی نے بھی اسکی
تصدیق و تصحیح کی ہے۔

"تذکرہ مجدد الف ثانی" میں مولانا نعمانی نے اس اقتباس کے بعد ابن تیمیہ کی کتاب "منہاج السنۃ"
سے امام مالک کا ایک قول نقل کیا ہے جسکے بعد فضیلت عثمان رضؓ کے بارے میں حضرت امام
مالک کی طرف توقف یا سکوت کی نسبت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ فرماتے ہیں:۔

لا اجعل من خاض فی دماء المسلمین
جو لوگ مسلمانوں کے خون خرابہ میں ملوث ہوئے

کمن لم یخض فیہا — اس کو میں ان کے برابر نہیں سمجھتا جو کہ محفوظ رہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ارشاد سے پیدا ہونے والے ایک شبہ کا جواب دیا ہے۔ اس شبہ اور اس کے جواب کا حاصل یہ ہے :-

"حضرت امام اعظمؒ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اہل سنت وجماعت کی علامات میں شیخینؓ کی فضیلت کا اعتقاد اور ختنین (حضرت عثمانؓ وحضرت علیؓ) سے محبت رکھنا بھی ہے۔"

فرماتے ہیں کہ "بادی النظر میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے مراتب میں شاید کوئی فرق نہیں۔" اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

"جن لوگوں کو یہ شبہ پیدا ہوتا ہے انہوں نے حضرت امام کے اس ارشاد کی روح اور محل کو نہیں سمجھا۔ اصل بات یہ ہے کہ اختلافات اور فتنے سوء اتفاق سے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ ہی کے زمانہ میں ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے بعض لوگوں کو ان بزرگوں کی طرف سے بدظنی اور کدورت پیدا ہوسکتی ہے۔ حضرت امامؒ نے اس صورتحال کو پیش نظر رکھتے ہوئے ختنین (حضرت عثمانؓ وحضرت علیؓ) کی محبت و مودت کو شعائر اہلسنت میں سے قرار دیا ہے اور اس جگہ ان ہر دو بزرگوں کے باہمی فرق مراتب سے نفیاً یا اثباتاً کوئی بحث یا اس کا کوئی لحاظ نہیں ہے۔"

آخر میں حضرت مجددؒ صاحب فرماتے ہیں :-

کیف و کتب الحنفیۃ مشحونۃ بان افضلیتھم علی ترتیب خلافتھم
۔۔۔ لہ

یعنی اور بھلا حضرت امام اعظم کے متعلق توقف یا عدم تفاضل ما بین حضرت عثمانؓ و علیؓ کا خیال کیونکر قائم کیا جا سکتا ہے حالانکہ کتب حنفیہ اس تصریح سے بھری پڑی ہیں کہ ان کی افضلیت علی ترتیب خلافت ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں۔

بالجملہ افضلیت شیخین یقینی است و افضلیت حضرت عثمان دون او ست اما احوط آں است کہ منکر فضلیت حضرت عثمان را بلکہ افضلیت شیخین را نیز حکم بکفر نکنیم و مبتدع و ضال دانیم

الحاصل حضرات شیخین کی افضلیت یقینی ہے اور حضرت عثمانؓ کی افضلیت اس سے کم درجہ کی ہے ہم زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ افضلیت عثمانؓ کے منکر بلکہ حضرات شیخین کی افضلیت کے منکر کو کافر نہ کہا جائے ہاں ہم اسکو صاحب بدعت اور گمراہ جانیں گے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:۔

و آنکہ ہمہ را برابر داند و فضل یکے بر دیگرے فضولی انگارد بوالفضول است، عجیب بوالفضول کہ اجماع اہل حق را فضولی داند

اور جو شخص کہ سب کو برابر جانے اور ان کی باہمی تفاضل اور فرق مراتب فضول سمجھے وہ خود احمق اور بوالفضول ہے اور عجیب احمق کہ تمام اہل حق کے اجماعی مسئلہ کو فضول کہتا ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

اما افضلیۃ الخلفاء علی ترتیب الخلافۃ فقد اشتہر عن ابن عمر بروایات فیہا العدد والثقۃ

خلفاء راشدین کی فضیلت بترتیب خلافت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بروایات صحیحہ و معتبرہ مد شہرت کو پہنچ گئی ہے۔

ان تمام اقوال سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ میں سے بعض، بعض سے افضل ہیں اور خلفاء راشدین (حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین) بترتیب خلافت تمام امت سے افضل ہیں۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مع صحابہ رضی اللہ عنہم تمام امت سے افضل ہیں اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان تفاضل سے توقف کرنے والا یا حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دینے والا، بقول حافظ ابن حجرؒ اور [illegible] ہے، بوالفضول اور اہلسنت سے خارج ہے۔

فقہاء صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

یوں تو سارے صحابہؓ ہی فقہاء (دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والے) اور ائمہ مقتدیٰ ہیں۔ ان کے اقوال و افعال، فتاویٰ اس لائق ہیں کہ ان کی حفاظت اور روایت کی جائے، دین کے سلسلہ میں جو کچھ ان سے منقول ہے وہ سب فقہ اور دین ہے، لیکن یہاں فقیہ سے خاص اصطلاحی مراد ہے یعنی مجتہد کے معنی ہے۔ اس اعتبار سے معدودے چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین "فقیہ" ہیں۔ چنانچہ علامہ جمال الدین قاسمی رحمۃ اللہ نے علامہ الدین شرفی کی "ایقاظ الہمم" کے حوالے سے علامہ سندی رحمہ اللہ کا ایک قول نقل کیا ہے جو ذیل میں درج ہے :-

تقرر ان الصحابة ما كانوا كلهم مجتهدين على اصطلاح العلماء فان فيهم القروي والبدوي ومن سمع منه صلى الله عليه وسلم حديثا واحدا او صحبه مرة (۱)

یہ بات طے شدہ ہے کہ سارے صحابہ کرام علماء کی اصطلاح کے مطابق مجتہد نہیں تھے کیونکہ بعض ان میں سے دیہاتی اور بدوی تھے اور بعض وہ تھے جنہوں نے آپ سے صرف ایک ہی حدیث سنی یا ایک مرتبہ ہی آپ سے ملاقات کی۔

---

(۱) قواعد التحدیث - ص ۹۶

امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے فقہاء صحابہؓ کا تذکرہ کرتے ہوئے حسب ذیل عنوان کے تحت چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسماء گرامی ذکر کیے ہیں۔ فرماتے ہیں :۔

ذکر من کان یفتی بالمدینۃ ویقتدی بہ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبعد ذلک والی من انتھی علمھم[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے ان حضرات کا ذکر جو آپ کے زمانہ میں اور اس کے بعد فتویٰ دیا کرتے تھے اور ان کی اقتداء کی جاتی تھی اور جن کی طرف ان کا سب کا علم منتہی ہوا۔

اس کے بعد حسب ذیل حضرات کے اسماء گرامی ذکر کیے ہیں :۔

(۱) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۲) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (۳) علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (۴) عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (۵) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (۶) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۷) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (۸) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (۹) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (۱۰) عثمان رضی اللہ عنہ (۱۱) ابوالدرداء رضی اللہ عنہ (۱۲) سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (۱۳) حذیفہ رضی اللہ عنہ (۱۴) عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ (۱۵) عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (۱۶) ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے اسی عنوان کے تحت بھی اسمائے گرامی ذکر کیے ہیں

(۱) طبقات ابن سعد - ج - ۲ ص ۳۴۴

غالباً انہوں نے اس میں "ابن سعد" ہی کی اقتداء کی ہے [1]

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۰ سے زائد فقہاء وصحابہ کرام اور صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر کیا ہے۔ جن میں سے بعض مکثرین ہیں اور بعض مقل اور بعض متوسط مکثرین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

وکان المکثرون منهم سبعة عمر بن الخطاب وعلی بن ابی طالب وعبد الله بن مسعود وعائشة ام المؤمنين وزيد بن ثابت، وعبد الله بن عباس وعبد الله بن عمر (رضوان الله عليهم اجمعين) [2]	اور ان (صحابہ کرام) میں سے بکثرت جن کے فتاویٰ منقول ہیں۔ وہ سات ہیں۔ عمر بن خطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عائشہ امّ المؤمنینؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

ويمكن ان يجمع من فتوى كل واحد منهم سفر ضخم [3]	یعنی ان میں سے ہر ایک کے فتاویٰ سے ایک بڑا دفتر جمع کیا جا سکتا ہے۔

آگے متوسطین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

قال ابو محمد : والمتوسطون منهم فيما روى عنهم من الفتيا ابو بكر الصديق وام سلمه	امام ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں : اور ان (صحابہ کرامؓ) میں سے وہ حضرات جو منقول فتاویٰ کے اعتبار سے متوسط

---

(۱) تلقیح فہوم اہل الاثر - ص ۲۲۵ (۲) اعلام الموقعین - ج ۱ - ص ۵
(۳) ایضاً، قواعد التحدیث - ص ۶۲

وانس بن مالك وابو سعيد الخدري وابو هريرة وعثمان بن عفان وعبد الله بن عمرو بن العاص وعبد الله بن الزبير وابو موسى الاشعري وسعد بن ابي وقاص وسلمان الفارسي وجابر بن عبد الله ومعاذ بن جبل وهولاء الذين عشر يمكن ان يجمع من فتيا كل واحد منهم جزء صغير جدا ۔ [1]	ہیں۔ ابوبکر صدیق، ام سلمہ، انس بن مالک، ابوسعید خدری، ابوہریرہ، عثمان بن عفان، عبداللہ بن عمرو بن عاص، عبداللہ بن زبیر، ابوموسیٰ اشعری، سعد بن ابی وقاص، سلمان فارسی، جابر بن عبداللہ، معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہم اجمعین) یہ تیرہ حضرات ہیں ان میں سے ہر ایک کے فتاویٰ سے ایک نہایت چھوٹا جزء تیار کیا جا سکتا ہے۔

آگے چند صحابہ کرام کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان حضرات کو بھی متوسطین میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ ان کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں:

(۱) حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ (۲) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (۴) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ (۵) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ (۶) عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ (۷) معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

آگے کئی صحابہ وصحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی ذکر کیے ہیں علامہ جمال الدین قاسمی کی تصریح کے مطابق ان کی تعداد ایک سو بیس کے قریب ہے۔ ان کے متعلق فرماتے ہیں:۔

---

(۱) اعلام الموقعین ۔ ج ۱ ۔ ص ۵ ۔

والباقون منهم يقلون في الفتيا لا يروى عن الواحد منهم الا المسئلة والمسئلتان والزيادة اليسيرة على ذلك يمكن ان يجمع من فتيا جميعهم جزء صغير فقط بعد التقصي والبحث [۱]	اور باقی ان میں سے فتویٰ میں کم ہیں ان میں سے ہر ایک سے ایک، دو یا کچھ زائد مسائل منقول ہیں۔ چھان بین کے بعد مشکل ان کے فتاویٰ سے ایک چھوٹا جز جمع کیا جا سکتا ہے۔

اوپر جن صحابہ کرام کا ذکر کثیر میں کیا گیا ہے کہ علامہ جمال الدین قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن حزم سے ان کے متعلق "اکثرہم فتوی مطلقاً" کے الفاظ نقل کیے ہیں [۲]

تنقیح بحث

امام ابن سعد رحمۃ اللہ اور امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے جن فقہاء صحابہ کرام کا ذکر کیا ہے۔ غالباً وہ انہی صحابہ کرام کو ذکر کرنا چاہتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں صاحب فتویٰ شمار ہوتے تھے اور دوسرے صحابہؓ آنحضرت کے حکم سے یا از خود در پیش مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے جیسا کہ ان کے ترجمہ اور عنوان ہی سے واضح ہوتا ہے اسی لیے ان میں بعض صغار صحابہ کرام کا (جو بعد میں کثیر الفتاویٰ مشہور ہوئے) ذکر نہیں ہے جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ، اور اسی لیے ان میں کثیر الفتاویٰ اور قلیل الفتاویٰ کا فرق

(۱) اعلام الموقعین - ج ۱ - ص ۵ (۲) قواعد التحدیث - ص ۷۲

ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔ البتہ امام ابن قیم اور علامہ جمال الدین قاسمی رحمہما اللہ نے امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ سے فقہائے صحابہ کرام کی جو تقسیم نقل کی ہے وہ بہت دلنشین ہے لیکن حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے قول " والذین حفظت عنہم الفتویٰ " اور حافظ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے قول " والمتوسطون منہم فیما روی عنہم من الفتیا " سے معلوم ہوتا ہے کہ مکثرین، مقل اور متوسط کی یہ تقسیم ان فتاویٰ کے اعتبار سے ہے جو نقل ہو کر بعد میں آنے والوں تک پہنچے، اسی اعتبار سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں:

لیس أحدٌ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یروی عنہ فی الفتوی اکثر من ابن عباسؓ [1]	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے کسی سے ابن عباسؓ سے زیادہ فتاویٰ منقول نہیں ہیں۔

لیکن فی الواقع جو صحابہؓ کرام تمام صحابہؓ سے اعلم اور افقہ ہیں امام مسروق تابعیؒ کی روایت کے مطابق وہ چھ ہیں۔ پھر ان میں سے بھی بالخصوص دو حضرات، چنانچہ فرماتے ہیں:-

وجدت علم اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم انتہی الی ستۃ۔ عمر و علی و ابی و زید و ابی الدرداء و عبداللہ	میں نے دیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کا علم چھ حضرات کی طرف منتہی ہوتا تھا۔ عمرؓ، علیؓ، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابوالدرداء، عبداللہ

(۱) مقدمہ ابن صلاح۔ ص ۲۷۲ طبع جدید

بن مسعود، ثم انتهی علم ھولاء	بن مسعود۔ پھر ان چھ کا علم دو حضرات کی
الستۃ الی ثنتین علی و عبداللہ	طرف منتہی ہوتا تھا۔ علیؓ اور عبداللہ
(رضی اللہ عنھم اجمعین) [1]	بن مسعود

اور امام مسروق ہی سے دوسری روایت میں حضرت ابوالدرداء کی بجائے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔ [2]

اور حضرت مسورؓ بن مخرمہ کی روایت میں، حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بجائے حضرت عثمانؓ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔ [3]

تینوں روایتوں کو جمع کرنے سے ۹ صحابہ کرامؓ اعلم ہوئے اور حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف ان کے علم کے منتہی ہونے کے معنی بقول علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ ہیں کہ ان دو حضرات کا علم اپنی وسعت کی بنا پر باقی تمام صحابہؓ کے علم کو شامل تھا۔ [4]

ان نو حضرات کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی شریک کر لیا جائے بلکہ سرفہرست رکھا جائے، کیونکہ خلیفہ کے لیے مجتہد ہونا شرط ہے اگرچہ کوئی زیادہ مقدار میں ان کے فتاویٰ ہم تک نہیں پہنچے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو بھی فقہا اور مجتہدین کی صف اول میں شمار کرنا چاہیے کیونکہ اولاً

---

(۱) طبقات ابن سعد۔ ج ۲۔ ص ۳۵۱، اعلام الموقعین۔ ج ۱۔ ص ۱۶، مقدمہ ابن صلاح ص ۲۹۷ طبع جدید (۲) مقدمہ ابن صلاح۔ ص ۲۹۷ طبع جدید، طبقات ابن سعد۔ ج ۲۔ ص ۳۵۱
(۳) طبقات ابن سعد۔ ج ۲۔ ص ۳۵۱ (۴) فتح المغیث۔ ج ۴۔ ص

تو یہ دونوں حضرات کثیر الفتاویٰ صحابہ کرامؓ میں شمار ہوتے ہیں ثانیاً اس لیے کہ وہ چار صحابہ کرام جن کے شاگردوں کے ذریعہ امت کو دین، فقہ اور علم پہنچا ان میں یہ دونوں حضرات بھی ہیں چنانچہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

والدین والفقه والعلم انتشر فی الامة عن اصحاب ابن مسعودؓ واصحاب زیدؓ بن ثابتؓ واصحاب عبد اللہ بن عمرؓ واصحاب عبد اللہ بن عباسؓ [1]	امت میں دین، فقہ اور علم، عبد اللہ بن مسعودؓ اور زیدؓ بن ثابتؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ کے شاگردوں کے ذریعے پھیلا اور عام ہوا۔

ان ہی اعلم اور افقہ صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں چنانچہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

واما عائشة فکانت مقدمة فی العلم والفرائض والاحکام والحلال والحرام۔ [2]	لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم، فرائض، احکام اور حلال و حرام کے مسائل میں پیش پیش ہیں۔

لیکن حضرت عمرؓ۔ وہ تو علی الاطلاق تمام صحابہؓ سے اعلم و افقہ ہیں۔ کیونکہ متعدد بار وحی الٰہی نے ان کی رائے سے موافقت کی جس سے ان کا افقہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دودھ والا خواب جس میں حضرت عمرؓ نے سب سے زیادہ دودھ پیا۔ یہاں تک کہ ناخنوں اور ناک سے بہنے لگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعبیر علم سے فرمائی۔ یہ باتیں حدیث کے طالب علموں سے مخفی نہیں

---

(۱) اعلام الموقعین۔ ج ۱۔ ص ۶ (۲) ایضاً

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ سب صحابہؓ سے اعلم واقعہ ہیں اور ان
کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور بعض دوسرے صحابہ کے متعلق دین کے
کے بعض مخصوص شعبوں کے اعتبار سے اعلم کا اطلاق وارد ہوا ہے۔ مثلاً حضرت
حذیفہؓ کے متعلق ہے اعلم بالمنافقین اور حضرت عثمانؓ کے متعلق ہے اعلم بالمناسک،
اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے متعلق ہے اعلم بالفرائض، اور معاذ بن جبلؓ کے متعلق
ہے اعلم بالحلال والحرام۔

عدالتِ صحابہ کرام

الصحابۃ کلہم عدول

عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مسئلہ عدالتِ راوی اور عدالتِ شاہد (گواہ) کی فرع ہے کیونکہ صحابہ کرام دینِ حق کے راوی بھی ہیں اور شاہد بھی۔ اسلئے راوی اور شاہد کی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عادل ہونا بھی ضروری ہے اور حقیقت کو سمجھنا عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے۔

عدالت کے معنی میں علماء کے اقوال

یہ اصطلاح فقہاء اور محدثین میں یکساں طور پر استعمال ہوتی ہے۔ فقہاء شہادت کے باب میں اور محدثین مقبول الروایۃ اور مردود الروایۃ کی بحث میں اسکے متعلق بحث کرتے ہیں اور راوی اور شاہد کے لیے اسکو شرط قرار دیتے ہیں اور اس میں حق تعالیٰ کا ارشاد "واشہدوا ذوی عدل منکم" اور "ممن ترضون من الشہداء" ہے جس کے معنی یہی ہیں کہ شاہد کو عادل اور پسندیدہ ہونا ضروری ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد جسکا مفہوم تقریباً یہ ہے کہ "علم اسی سے حاصل کرو جس کی

شہادت قبول کی جا سکتی ہے"۔ اس کے علاوہ فاسق کی خبر میں تحقیق اور توقف کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے محدثین راوی حدیث کے لیے اور فقہا شاہد (گواہ) کے لیے عدالت کی شرط لگاتے ہیں۔ لہٰذا عادل کے وہی معنی معتبر ہوں گے جو فقہا اور محدثین مراد لیتے ہیں اور اس معنی کے خلاف کوئی معنی مراد لینا "توجیه القول بما لا یرضی به قائله" کے قبیل سے ہوگا۔ ذیل میں عدالت کے متعلق ائمہ کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں:۔

(۱) حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

العدل فی الشهادة الذی	شہادت میں عادل وہ ہے جس سے
لم تظهر منه ریبة	قلق کی کوئی بات ظاہر نہ ہو۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ "عدل" سے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

من کان فیه خمس خصال	"عادل" وہ ہے جس میں پانچ خصلتیں ہوں
یشهد الجماعة ولا یشرب	نماز با جماعت ادا کرے، بے نبیذ پیتا
هذا الشراب ولا تکون فی	ہو، اس کے دین میں کوئی خرابی نہ ہو،
دینه خربة ولا یکذب ولا	جھوٹ نہ بولے اور اس کی عقل میں فتور نہ
یکون فی عقله شیء۔	ہو۔

(۳) سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

لیس من شریف ولا عالم	کوئی شریف کوئی عالم، کوئی ذی سلطان
ولا ذی سلطان الا وفیه عیب	ایسا نہیں جس میں عیب نہ ہو، لیکن

لا بد ولكن من الناس من لا تذكر عيوبه من كان فضله أكثر من نقصه ذهب نقصه لفضله

کچھ لوگوں کے عیوب بیان نہیں کیے جاتے بس جس کی خوبیاں نقائص سے زیادہ ہوں اسکے نقائص خوبیوں کی وجہ سے کالعدم ہو جاتے ہیں۔

(۴) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

لا اعلم احداً اعطى طاعة الله حتى لم يخلطها بمعصية الله الا يحيى بن زكريا عليه السلام ولا عصى الله فلم يخلط بطاعة فاذا كان الاغلب الطاعة فهو المعدل واذا كان الاغلب المعصية فهو المجرح۔

میرے علم میں کوئی ایسا شخص نہیں کہ جس کو اللہ کی اطاعت کی توفیق ملی ہو پھر اس نے اسمیں معصیت کی ملاوٹ نہ کردی ہو مگر یحیٰی علیہ السلام، اور ایسا بھی نہیں کہ اللہ کی نافرمانی ہی کرتا رہے اور اس میں اطاعت کی آمیزش نہ کرے، پس جب اطاعت غالب ہو گی عادل اور جب معصیت غالب ہو گی مجروح ہو گا۔

(۵) قاضی ابوبکر محمد بن الطیب رحمۃ اللہ علیہ کی عدالت کے موضوع پر طویل تقریر کی ہے۔ ذیل میں اس کے بعض اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں :-

والعدالة المطلوبة في صفة الشاهد والمخبر هي العدالة الراجعة الى استقامة دينه وسلامة مذهبه وسلامته

وہ عدالت جو شاہد اور مخبر کی صفات میں مطلوب ہے وہ ہے جو استقامت دین سلامتی مذہب اور فسق اور اس کے قائم مقام یعنی دل ....

من الفسق وما یجری مجراہ مما اتفق علی انہ مبطل العدالۃ من افعال الجوارح والقلوب المنھی عنھا	اور جوارح کے متفق علیہ مبطل عدالت منھی عنہ افعال سے سلامتی کی طرف راجع ہو۔

آگے فرماتے ہیں :۔

والواجب ان یقال جمیع صفات العدالۃ انھا اتباع اوامر اللہ تعالیٰ والانتھاء عن ارتکاب ما نھی عنہ مما یسقط العدالۃ	اور واجب یہ ہے کہ تمام صفات عدالت میں یہ کہا جائے کہ یہ اتباع اوامر اور مسقط عدالت منھی عنہ امور سے رکنے کا نام ہے۔

چند سطور کے بعد فرماتے ہیں :۔

ولیس یکفیہ فی ذلک اجتناب کبائر الذنوب التی یسمی فاعلھا فاسقاحتی یکون مع ذلک متوقیا لما یقول کثیر من الناس انہ لا یعلم انہ کبیر بل یجوز ان یکون صغیرا نحو الکذب الذی لا یقطع علی انہ کبیر ونحو التطفیف بحبۃ وسرقۃ باذنجانۃ وغش المسلمین بما لا یقطع عندھم	عدالت کے باب میں آدمی کیلئے بس یہی کافی نہیں کہ وہ کبائر سے مجتنب ہے جن کے کرنے سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے بلکہ اسکے ساتھ ان باتوں سے بچنا بھی ضروری ہے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ معلوم نہیں کہ یہ کبیرہ ہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ صغیرہ ہی ہوں جیسے وہ جھوٹ جس کے کبیرہ ہونے کا یقین نہیں اور جیسے ناپ تول میں قصداً ایک حبہ کی کمی کرنا اور باذنجان کا سرقہ اور مسلمانوں کو

علی انه کبیر من الذنوب لاجل ان القاذورات وان لم یقطله علی انها کبائر یستحق بها العقاب فقد اتفق علی ان فاعلها غیر مقبول الخبر والشهادة [1]	ایسا دھوکہ دینا جس کے متعلق یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کبیرہ گناہ ہے۔ کیونکہ گھٹیا کام اگرچہ انکے اس قسم کے کبیرہ ہونے کا یقین نہ بھی ہو جو موجب عقاب ہوں تو بھی علماء کا اتفاق ہے کہ ان کا فاعل غیر مقبول الخبر والشہادہ ہوگا

(۶) امام حاکم نیسا پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

واصل عدالة المحدث ان یکون مسلماً لا یدعوا الی بدعة ولا یعلن من انواع المعاصی ما تسقط به عدالته	محدث کے عادل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ مسلمان ہو، بدعت کی طرف دعوت نہ دیتا ہو اور علانیہ ایسے گناہ نہ کرتا ہو جن سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔

(۷) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

العدالة فی الروایة والشهادة عبادة عن استقامة السیرة فی الدین ویرجع حاصلها الی هیئة راسخة فی النفس تحمل علی ملازمة التقوی والمروءة جمیعا..... ولا یکفی ایضاً اجتناب الکبائر بل من الصغائر ما یرو به	روایت اور شہادت میں عدالت دین میں استقامت سیرت سے عبارت ہے اور اسکا اصل مرجع وہ کیفیت راسخہ فی النفس ہے جو تقویٰ اور شرافت دونوں کی پابندی پر برانگیختہ کرے ..... اور صرف کبائر سے بچنا بھی کافی نہیں بلکہ بعض صغائر سے بھی روایت وشہادت ردکر

(۱) کفایہ ۔ ص ۸۰ ، ۸۱

کسرقة بصلة و تطفيف حبة قصداً ...... كيف وقد شرط في العدالة التوقي عن اجض المباحات القادحة في المروءة نحو الاكل في الطريق والبول في الشارع وصحبة الارذال والافراط المزاح .	دی جاتی ہے جیسے پیاز کی چوری اور ناپ تول میں قصداً حبہ کی کمی بیشی ...... صرف کبائر سے اجتناب کیسے کافی ہو سکتا ہے جبکہ بعض مباحات سے بچنا بھی جو مروت میں قادح ہوں عدالت میں شرط ہے ۔ جیسے رستے میں کھانا اور شاہراہ میں پیشاب کرنا ، اور رذیل قسم کے لوگوں کے ساتھ میل ملاپ رکھنا اور مزاح میں حد سے گزر جانا ۔

سلہ

(۸) محقق ابن الہمام فرماتے ہیں :-

ادناها (اي العدالة) ترك الكبائر والاصرار على صغيرة و ترك ما يخل بالمروءة .	عدالت کا ادنیٰ درجہ کبائر کا ترک اور صغیرہ پر عدم اصرار اور مخل مروت امور کا ترک ہے ۔

عدالت کے باب میں ائمہ کے جو اقوال نقل کیے گئے ہیں ان سے معلوم ہوا کہ تقویٰ ہی کا دوسرا نام عدالت ہے بلکہ بعض اقوال سے تو یہ معلوم ہوا کہ بلند ترین مراتب تقویٰ کا نام عدالت ہے جس کے مفہوم میں اجتناب کبائر کے ساتھ صغائر بلکہ بعض مخل مروت مباح باتوں سے اجتناب بھی داخل ہے اور بعض اقوال سے محقق ابن الہمام کے الفاظ میں یہ معلوم ہوا کہ عدالت کا ادنیٰ درجہ کبائر سے اجتناب اور صغائر پر عدم اصرار اور مخل مروت امور کا ترک ہے ۔ روایت اور شہادت میں باتفاق محدثین

---

(۱) مقدمہ فتح الملہم ۔ ص ۱۴

یہی عدالت شرط ہے۔ ذیل میں ہم عدالت فی الروایۃ کے معنی پر اصول حدیث کی کتابوں سے مزید روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

علماء اصول کی اصطلاح

اصول حدیث کے مشہور عالم حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ راوی مقبول کی شرطیں بیان کرتے ہوئے ایک شرط، کہ "راوی کو عادل ہونا چاہیے" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وتفصیلہ ان یکون مسلماً بالغاً، عاقلاً، سالماً من اسباب الفسق وخوارم المروۃ[1]	"عدالت کی تفصیل یہ ہے کہ راوی مسلمان، بالغ، عاقل ہو، اسباب فسق اور خلاف مروّتہ امور سے محفوظ ہو۔

علامہ عراقی، امام نووی، شیخ الاسلام ابن حجر وغیرہم رحمہم اللہ نے حافظ ابن صلاح کی اس تفسیر کے ساتھ اتفاق کیا ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ "عادل" کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

والمراد بالعدل من لہ ملکۃ تحملہ علی ملازمۃ التقوٰی والمروۃ والمراد بالتقوٰی اجتناب الاعمال السیئۃ من شرک او فسق او بدعۃ[2]	"عادل" سے مراد وہ آدمی جسے ایسی کیفیت، راسخہ فی النفس حاصل ہو جو اسے تقویٰ اور شرافت کی پابندی پر برانگیختہ کرے اور تقویٰ سے مراد اعمال سیئہ شرک، فسق، بدعت وغیرہ سے اجتناب

شاہ ولی اللہ خلیفہ کی شرائط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

---

(۱) مقدمہ ابن صلاح ص ۵۰ طبع جدید، فتح المغیث عراقی ج ۲ ص ، تقریب مع تدریب ص

(۲) شرح نخبہ ص ۲۶

و ازاں جملہ آں است کہ عدل باشد یعنی مجتنب از کبائر غیر مصر بر صغائر و صاحب مروت باشد نہ ھرزہ گرد خلیع العذار	منجملہ شروط (استحقاق) خلافت کے ایک شرط یہ ہے کہ خلیفہ "عدل" ہو یعنی کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرنیوالا اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرنے والا ہو اور صاحب مروت ہو یعنی ہرزہ گرد اور وارستہ مزاج نہ ہو۔

لہ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "لمعات" کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں

والعدالۃ ملکۃ فی الشخص تحملہ علی ملازمۃ التقوی والمروۃ	عدالت آدمی کے اندر وہ کیفیت راسخہ جو اسے تقوی و شرافت کی پابندی پر برانگیختہ کرے۔

آگے "تقوی" اور "مروت" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

والمراد بالتقوی اجتناب الاعمال السئیۃ من الشرک والفسق والبدعۃ وفی الاجتناب عن الصغیرۃ خلاف والمختار عدم اشتراط لخروجہ عن الطاقۃ الا الاصرار علیہا لکونہ کبیرۃ والمراد بالمروۃ التنزہ عن بعض الخسائس	تقوی سے مراد اعمال سیئہ شرک، فسق بدعت وغیرہ سے اجتناب ہے اور صغیرہ سے اجتناب میں اختلاف ہے اور مختار عدم اشتراط ہے اسکے طاقت بشریہ سے خارج ہونے کی وجہ سے مگر ان پر اصرار (سے اجتناب شرط ہے) کیونکہ یہ کبیرہ گناہ ہے اور مروت سے مراد بعض ایسے خسائس و نقائص سے تنزہ ہو۔

---

(۳) ازالۃ الخفاء ۔ ج ۱ - ص ۲۰

والنقائص التی هی خلاف مقتضی الهمة والمروة مثل بعض المباحات الدنیة كالاكل والشرب فی السوق والبول فی الطریق وامثال ذلك	ہمت و شرافت کے خلاف ہیں جیسے بعض گھٹیا قسم کی مباحات مثلاً بازاروں میں کھانا پینا اور راستے میں پیشاب کرنا وغیرہ۔

ان تمام اقوال سے معلوم ہوا کہ راوی یا شاہد کے عادل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ فاسق نہ ہو، کبائر کے ارتکاب اور صغائر پر اصرار سے اجتناب اور خلاف مروت امور سے پرہیز کرنے والا ہو۔ عادل ہونے کے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ روایت حدیث میں تعمداً جھوٹ بولنے سے اجتناب کرتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اصول حدیث کی کتب میں روایت حدیث میں کذب کے علاوہ بہت سے اسباب اور بھی ذکر کئے جاتے ہیں جو عدالت میں جرح کا موجب ہیں اور ان کا موصوف ساقط العدالت قرار پاتا ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "نخبہ" میں اور ان کی اتباع میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ "اللمعات" میں حسب ذیل اسباب جو عدالت میں جرح کا موجب ہیں بیان فرمائے ہیں:-

(۱) کذب راوی یعنی روایت حدیث میں راوی کا جھوٹا ہونا

(۲) اتہام بالکذب یعنی عام گفتگو میں یا روایت حدیث میں راوی کا متہم بالکذب ہونا۔

(۳) فسق یعنی راوی کا کبائر کا مرتکب یا صغائر پر مصر ہونا۔

(۴) جہالت یعنی راوی کا مجہول العین یا مجہول الحال ہونا۔

(۵) بدعت یعنی راوی کا عمل یا عقیدے کے اعتبار سے بدعتی ہونا ۔ [1]
لہٰذا عادل ہونے کیلئے ان تمام اسباب جرح سے محفوظ ہونا ضروری ہے خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ چند کبائر کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

کل من ثبت علیہ فعل شئی من ھذہ الکبائر المذکورۃ او ما کان بسبیلھا کشرب الخمر واللواطۃ ونحوھما فقد ابتدہ ساقطۃ وخبرہ مردود حتی یتوب وکذلک اذا ثبت علیہ ملازمۃ لفعل المعاصی التی لا یقطع علی انھا من الکبائر وادامۃ السخف والخلاعۃ والمجون فی امر الدین

جس شخص پر ذکر کردہ ان کبائر یا ان جیسے گناہوں مثلاً شراب نوشی یا لواطت ثابت ہو جائے ۔ اسکی عدالت ساقط ہو جاتی ہے اور اسکی خبر مردود ہے حتیٰ کہ توبہ کرے اور ایسے ہی جب اس پر ایسے گناہوں پر اصرار ثابت ہو جائے جن کے کبیرہ ہونے پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے ۔ اسی طرح دین کے معاملہ میں سفاہت اور بے پرواہی کا اظہار اور بے لگام ہو جائے ۔

[2]

تتمیم فائدہ کیلئے ان کبائر کا ذکر بھی کیا جاتا ہے اور وہ حسب ذیل ہیں :-
(۱) شرک باللہ (۲) سحر (۳) قتل نفس (۴) اکل ربوا یعنی سود خوری (۵) اکل مال یتیم (۶) تولی یوم الزحف (میدان جنگ سے بھاگنا) (۷) قذف محصنہ (پاکدامن مرد یا عورت کو تہمت لگانا) (۸) زنا کرنا خصوصاً ہمسایہ کی بیوی سے (۹) شرب

---

(۱) شرح نخبہ ۔ ص ۵۸ ، مقدمہ اللمعات ۔ ص ۲۷ (۲) کفایہ ۔ ص ۱۰۵

بعد الهجرة (ہجرت کے بعد بدو بنت اختیار کرنا) (۱۰) عقوق (نافرمانی) والدین (۱۱) والد پر سب و شتم کا سبب بننا (۱۲) شہادت زور (جھوٹی گواہی)

معلوم ہوا کہ عادل ہونے کیلئے ان تمام کبائر سے اجتناب ضروری ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک کا بھی ارتکاب کیا تو عدالت ساقط ہو جائے گی۔

آخر میں امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا کلام نقل کر کے بحث کو ختم کرتے ہیں:

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

فلا خلاف فی ان کل من جمع عدالة ومعصية فاطاع فی قصته وصلی وصام وزکی وفسق فی اخری فزنی او شرب الخمر او اتی بکبیرة او جاهر بصغیرة فانه فاسق عند جمیع الامة بلا خلاف ولا یقع علیه اسم العدل له	اسمیں اختلاف نہیں کہ جس نے عدالت اور معصیت دونوں کو جمع کر لیا پس ایک موقع پر اطاعت کی اور نماز، روزہ بجالایا اور زکوٰۃ ادا کی اور دوسرے موقع پر فسق کا ارتکاب کیا پس زنا کر لیا یا شراب پی لی یا کوئی اور کبیرہ گناہ کر لیا یا علانیہ صغیرہ کا ارتکاب کیا پس ایسا شخص بلا اختلاف پوری امت کے نزدیک فاسق ہے اور اسکو عادل نہیں کیا جا سکتا۔

آگے فرماتے ہیں:۔

ولو لم یفسق الامن تمحض الشر ولا یعمل شیئا من الخیر	اگر صرف ایسے ہی شخص کو فاسق قرار دیا جائے جو صرف شر ہی کا مرتکب ہے اور اس نے

---

(۱) احکام الاحکام

لما فسق مسلم ابدالان توحيدہ خير وفضل واحسان وبر	کوئی بھلائی نہیں کی تو کسی مسلمان کو بھی فاسق قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اسکی توحید بھی خیر، فضل، احسان اور بر ہے۔

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے بصراحت معلوم ہو گیا کہ عدالت اور فسق جمع نہیں ہو سکتے۔ فاسق صرف وہی نہیں جو سرتاپا فاسق ہو اور کبھی اس نے خیر کا کوئی کام نہ کیا ہو بلکہ کسی ایک موقع پر بھی موجب فسق امر کے ارتکاب سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے اور اسکی عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔ اس لیے عادل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ کبائر کے ارتکاب سے اجتناب کرے اور صغائر پر اصرار نہ کرے، بلکہ توبہ و استغفار کرے۔ ایسے ہی تمام ان امور سے پرہیز کرے جو خلاف مروت ہیں۔ راوی حدیث اور شاہد (گواہ) کے عادل ہونے کے یہی معنی ہیں اور یہی معنی تمام صحابہ کرام کے عادل ہونے کے ہیں۔

الصحابۃ کلہم عدول

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سب کے سب عادل (راست باز اور پاکباز) تھے۔ ان میں سے کوئی بھی فاسق نہیں تھا۔ وہ تمام آیات جن میں صحابہؓ کرام سے رضامندی اور ان کی مغفرت کا اعلان کیا گیا ہے، "عدالت صحابہؓ" کے بین دلائل ہیں۔ خصوصاً "سورۃ توبہ" اور "سورۃ بینہ" کی مندرجہ ذیل دو آیتیں۔ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

والسابقون الاولون من	اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے
المهاجرين والانصار والذين	والے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیرو
اتبعوهم باحسان رضی الله	ہوئے نیکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا ان سے
عنهم ورضوا عنه واعدلهم	اور وہ راضی ہوئے اس سے اور تیار کر رکھے
جنات تجری من تحتها الانهار	ہیں ان کیواسطے باغ کہ بہتی ہیں نیچے انکے
خالدين فيها ابدا ذلك الفوز	نہریں۔ رہا کریں انہیں میں ہمیشہ یہی
العظيم ۱	ہے بڑی کامیابی۔

اس آیت کریمہ میں بلا استثناء تمام صحابہ سے رضامندی اور ان کے جنتی ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔ مہاجرین وانصار میں سے جو لوگ بیعت رضوان تک مسلمان ہو چکے تھے۔ ان کو "السابقون الاولون" سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور جو بیعت رضوان کے بعد مسلمان ہوئے ان کو "اتبعوهم باحسان" کے ساتھ تعبیر فرمایا گیا ہے اور "احسان" کی قید احترازی نہیں بلکہ واقعی ہے یعنی ان لوگوں نے تہ دل سے سابقین اولین کی پیروی کی ہے پس ان سب سے رضامندی کا اعلان فرمایا گیا اور ان کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ اللہ تعالے کا ارشاد ہے:۔

ان الذين آمنوا وعملوا	بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک
الصالحات اولئك هم خير البرية	کام کیے یہی لوگ بہترین مخلوقات ہیں
جزاؤهم عند ربهم جنت عدن	ان کا بدلہ ان کے رب کے ہاں ہمیشہ رہنے
تجری من تحتها الانهار	کے بہشت ہیں۔ انکے نیچے نہریں بہتی ہونگی

(۱) سورۃ توبہ ع ۱۳

خلدین فیہا ابدا رضی اللہ	وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے - اللہ
عنھم و رضوا عنہ ذلک	ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی
لمن خشی ربہ -	ہوئے، یہ اس کیلئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے

اس آیت کریمہ میں " ان الذین اٰمنوا " کے الفاظ اگرچہ عام ہیں لیکن اس کے اولین مخاطب صحابہ کرام ہیں - یہی " خیر البریۃ " کا اوّل مصداق ہیں اور " رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ " کی بشارت پوری طرح ان کے حق میں ہی صادق آتی ہے - الغرض ان دونوں آیتوں میں بلا تخصیص اور بلا استثناء تمام صحابہ کرام سے رضامندی کا اعلان فرمایا گیا ہے -

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

والرضی من اللہ صفۃ قدیمۃ	رضا اللہ کی صفت قدیمہ ہے پس اللہ
فلا یرضی الا من عبد علم انہ	تعالیٰ اسی آدمی کے متعلق رضامندی
یوافیہ علی موجبات الرضی و	کا اظہار کرے گا جس کے متعلق اسے معلوم ہے
من رضی عنہ لم یسخط علیہ	کہ موجبات رضا پہ پورا اترے گا اور
ابدا [1]	جس سے ایک دفعہ وہ راضی ہوگیا کبھی اس پہ
	ناراض نہ ہوگا -

دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ یہ اللہ کی جانب سے، ان حضرات سے رضامندی کی خبر ہے اور اخبار الٰہیہ میں کذب اور تخلف کا احتمال نہیں - لہٰذا یقیناً اللہ تعالےٰ ان میں سے ایک ایک سے راضی ہو چکا ہے اور رضا ہی کا دوسرا نام تعدیل ہے - چنانچہ

---

(۱) الصارم المسلول - ص ۵۷۲

علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ " ممن ترضون من الشھداء " کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یعنی من العدول المرتضی دینھم وصلاحھم ؎۱

یعنی ایسے عادل (گواہ) جن کا دین اور صلاحیت پسندیدہ ہو۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

قال اللہ تبارک وتعالےٰ "ممن ترضون من الشھداء" و مرضی بودن مفسر بعدالت است ؎۲

یعنی اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے گواہوں کا مرضی (پسندیدہ) ہونا بتایا ہے اور مرضی (پسندیدہ) ہونے کی تفسیر عدالت کے ساتھ کی جاتی ہے۔

نیز آیات تزکیہ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک منصب "تزکیہ نفوس" (دلوں کی صفائی) بتایا گیا ہے۔ "عدالت صحابہ" کے واضح دلائل ہیں۔ چنانچہ ان میں سے "سورۃ آل عمران" اور "سورۃ محمد" کی مندرجہ ذیل دو آیتیں صحابہ کرام کے تزکیہ و تعدیل میں نص صریح ہیں :۔

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین ؎۳

اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے جو انہیں میں سے رسول بھیجا، ان پر اسکی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں کتاب اور دانش سکھاتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

---

(۱) تفسیر طبری (۲) ازالۃ الخفاء۔ ص ۲۰ (۳) سورۃ آل عمران ع

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالےٰ نے مؤمنین پر احسان جتایا ہے کہ ان میں ایسا رسول بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیات کی تلاوت اور تعلیم کتاب و حکمت کے علاوہ تزکیہ نفوس بھی کرتا ہے یعنی ان کو اخلاقِ رذیلہ سے پاک کرتا ہے، اور امتنان اسی وقت درست ہوگا جبکہ فی الواقع تزکیہ ہو چکا ہو اسی لیے پہلی حالت کے ساتھ تقابل کرتے ہوئے فرمایا ہے "وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین" اور تقابل اسی وقت ہو سکتا ہے جب پہلی حالت کلیتہً تبدیل ہو چکی ہو۔

آیت میں "مومنین" کا لفظ اگرچہ عام ہے۔ لیکن "القرآن یفسر بعضہ بعضاً" کے اصول کے پیشِ نظر اس سے صحابہ کرام ہی مراد ہیں۔ کیونکہ "سورۃ جمعہ" والی آیت میں "الامیین" کا لفظ ہے اور "امیین" سے عرب کے لوگ مراد ہیں اور ان میں سب سے پہلے مخاطب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی ہیں۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :-

ھو الذی بعث فی الامیین	وہی جس نے ان پڑھوں میں انہیں میں سے
رسولا منھم یتلوا علیھم	ایک رسول بھیجا جو ان پہ اسکی آیتیں
ایتہ و یزکیھم و یعلمھم	پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے
الکتاب والحکمتہ وان کانوا من	اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور بیشک
قبل لفی ضلل مبین [1]	وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

ان دونوں آیتوں کے مفہوم سے یہ بات واضح ہو گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار فرائض "تزکیۂ نفوس، تلاوت آیات، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت" میں سے

(۱) سورۃ جمعہ پ ۲۸

ایک تزکیہ نفوس بھی ہے ۔ اگر باقی تین فرائض کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتمام وکمال سرانجام دیا ہے (اور یقیناً دیا ہے) تو تزکیہ نفوس کے فریضہ کو بھی بتمام وکمال سرانجام دیا ہے ۔ اسمیں کسی کی تخصیص یا استثناء نہیں ۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ مزکّٰی و معدل تھے ۔ سُورۃ حجراتؓ کی ایک آیت یوں ہے :۔

ولکن اللہ حبب الیکم الایمان	ولیکن اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت
وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم	ڈالدی ہے اور اسکو تمہارے دلوں میں مزین کردیا ہے
الکفر والفسوق والعصیان	اور تمہارے دلمیں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی نفرت
اولئک ھم الراشدون [1]	ڈالدی ہے ، یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں ۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ایمان صحابہ کرامؓ کے دلوں میں گھر کر گیا تھا ، اور کفر ، فسوق (کبیرہ گناہ) اور عصیان (مطلق گناہ) سے ان کو شدید نفرت تھی اور جس کو کسی چیز سے نفرت ہو وہ اس سے بچنے کی پوری کوشش کرتا ہے ۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ صحابہؓ کرام تا بحد امکان کبیرہ اور صغیرہ ہر قسم کے گناہوں سے اجتناب کیا کرتے تھے ۔ اسی کا نام " عدالت " ہے جیسا کہ علماء اصول کی عبارتوں سے معلوم ہوا اسی لیے ان آیات اور ان کے علاوہ دیگر بے شمار آیات و احادیث جن میں صحابہؓ کرام کی توصیف فرمائی گئی ہے ، کی بنا پر تقریباً اہل سنت کا اجماعی عقیدہ بن گیا ہے کہ صحابہ سب کے سب عادل (راست باز اور پاکباز) تھے ۔ کوئی بھی انمیں سے فاسق نہیں تھا ۔ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

فھم خیر القرون وخیر امۃ	پس صحابہؓ کرام بہترین لوگ اور بہترین

---

(۱) سورۃ حجرات پ۲۶ع۱

اخرجت للناس ثبت عدالة	امت میں جو لوگوں کی اصلاح کے لیے نکالی
جمیعھم بثناء اللہ عز وجل	گئی ہے، ان سب کی عدالت اللہ عزوجل
علیھم وثناء رسولہ علیہ	کے ان کی تعریف کرنے سے ثابت ہے اور
السلام ولا اعدل ممن ارتضاہ	کوئی شخص اس سے زیادہ عادل نہیں ہو سکتا
اللہ بصحبۃ نبیہ ونصرتہ	جس کو اللہ نے اپنے نبی کی صحبت اور نصرت
ولا تزکیۃ افضل من ذلک و	کے لیے چن لیا ہو، کوئی تزکیہ اور کوئی تعدیل
لا تعدیل اکمل منہ (۱)	اس سے بڑھ کر اور بہتر نہیں۔

امام ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

والصحابۃ یشارکون فی	صحابہ کرام تمام راویوں کے ساتھ تمام
جمیع ذلک الا فی الجرح والتعدیل	باتوں میں شریک ہیں مگر جرح اور
فانھم کلھم عدول لا یتطرق	تعدیل میں نہیں کیونکہ وہ سب کے سب
الیھم الجرح لان اللہ عز و	عادل اور ثقہ ہیں ان کی طرف جرح نہیں جا
جل ورسولہ زکیاھم و	سکتا کیونکہ اللہ اور اس کے رسول نے انکی
عدلاھم (۲)	پاکبازی اور تعدیل فرمائی ہے۔

خطیب علیہ الرحمۃ نے "الکفایۃ" میں عدالت صحابہ کے موضوع پر بہت عمدہ کلام فرمایا ہے۔ اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:-

عدالۃ الصحابۃ ثابتۃ معلومۃ	صحابہ کرام کی عدالت۔ اللہ کی تعدیل
بتعدیل اللہ لھم واخبارہ عن	اور نص قرآنی میں ان کی طہارت کی خبر

(۱) مقدمہ استیعاب ص ۲ (۲) اسد الغابہ - ج ۱ - ص ۲

طہارتہم واختیارہ لہم فی نص القرآن

دینے اور ان کو مختار بنانے سے ثابت ہوتی ہے

آگے متعدد آیات، احادیث متعلق عدالت صحابہؓ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

وجمیع ذلک یقتضی طهارة الصحابة والقطع علی تعدیلهم ونزاهتهم فلا یحتاج احد منهم مع تعدیل الله تعالیٰ لهم المطلع علی بواطنهم الی تعدیل احد من الخلق الخ

یہ تمام آیات اور احادیث صحابہ کرامؓ کی طہارت اور ان کی تعدیل اور نزاہت پر یقین رکھنے کا تقاضا کرتی ہیں۔ پس ان میں سے کوئی صحابیؓ اللہ کی تعدیل کے بعد جو ان کی باطنی کیفیات تک سے باخبر ہے کسی کی تعدیل کا محتاج نہیں ہے۔

چند سطور کے بعد لکھتے ہیں :-

لو لم یرد من الله عز وجل ورسوله فیهم شئ مما ذکرنا لاوجبت الحال التی کانوا علیها من الهجرة والجهاد والنصرة وبذل المهج والاموال وقتل الآباء والاولاد والمناصحة فی الدین وقوة الایمان والیقین القطع علی

صحابہ کرامؓ کی تعدیل و توصیف میں اللہ اور رسول کے وہ ارشادات جو ہم نے ذکر کیے نہ بھی وارد ہوتے تو بھی وہ حالات جن پر وہ تھے یعنی ہجرت، جہاد، نصرت اور جان و مال کی قربانی، آباء اور اولاد کا قتل اور دینی خیرخواہی، قوت ایمان و یقین (یہ تمام چیزیں) ان کی عدالت پر یقین رکھنے اور ان کی

عدالتھم والاعتقاد لنزاھتھم	نزاہت کا اعتقاد رکھنے کو واجب قرار
وانھم افضل من جمیع المعدلین	دیتی ہیں۔ بے شک وہ ابدالآباد تک
والمزکین الذین یجیئون من	پیچھے بعد آنے والے تمام عادل اور پاکباز لوگوں
بعدھم ابد الآبدین	سے بہتر ہیں۔

آگے فرماتے ہیں :-

ھذا مذھب کافة العلماء و	تمام علماء اور معتبر فقہا کا یہی مذہب
من یعتد بقوله من الفقھاء[1]	ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

اتفق اھل السنة علی ان	اہلسنت کا اتفاق ہے کہ تمام صحابہ
الجمیع عدول ولم یخالف	عادل ہیں۔ اور اسمیں چند بدعتیوں کے
فی ذلك الا شذ وذ من المبتدعة	سوا کسی کا اختلاف نہیں اور خطیب
وقد ذکر الخطیب فی "الکفایة"	نے "الکفایۃ" میں اسمیں (عدالت میں)
فصلاً نفیسا فی ذلك[2]	عمدہ فصل ذکر کی ہے۔

آگے "الکفایۃ" سے وہ پوری فصل سبکی کچھ اقتباسات ابھی آپ نے ملاحظہ فرمائے ذکر کی ہے۔ محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں :

وقال السبکی والقول الفصل	علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور
انا نقطع بعد التھم من غیر التفات	فیصلہ کن بات یہ ہے کہ ہم ان (صحابہ)
الی ھذیان الھاذین وزیغ	کی عدالت کا یقین رکھتے ہیں اور بکواسیوں

(۱) الکفایہ ۔ ص ۴۹   (۲) مقدمہ اصابہ ۔ ج ۱ ص ۲

المبطلین وقد سلف اکتفاءنا فی العدالة بتزکیة الواحد فکیف بمن زکاهم علام الغیوب الذی لا یعزب عن علمه مثقال ذرة فی الارض ولا فی السماء فی غیر آیة و افضل خلق الله الذی عصمه الله من الخطاء فی الحرکات و السکنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی غیر حدیث

لہ

کی بکواس اور باطل پرستوں کی کج بحثوں کی طرف توجہ نہیں کرتے اور پہلے یہ بات گذر چکی ہے کہ ہم عدالت کے باب میں ایک آدمی کے تزکیہ پر اکتفا کر لیتے ہیں، پس ان حضرات کی عدالت کا کیسے یقین نہ کریں جن کا تذکرہ علام الغیوب نے متعدد آیات میں کیا ہے، جس کے علم سے زمین و آسمان میں ایک ذرہ مخفی نہیں اور آپ کی تعدیل اللہ کی مخلوق میں سب سے افضل، حرکات و سکنات میں معصوم ذات، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں کی ہے۔

مذکورہ بالا اقوالِ ائمہ سے معلوم ہوا کہ بلا استثناء تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عادل تھے، ان میں سے کوئی بھی فاسق (کبائر پر جری اور صغائر پر اصرار کرنے والا) نہیں تھا۔

ایک اِشتباہ

بعض متاخرین علماء اس بات کے قائل ہیں کہ "الصحابة کلهم عدول"

---

(۱) تحریر الاصول - ج ۲ - ص ۲۶۰

کے معنی صرف یہ ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے میں عادل تھے، ان میں سے کوئی بھی قصداً کسی غلط بات کی نسبت آپ کی طرف نہیں کرتا تھا بلکہ وہ آپ سے روایت کرنے میں جھوٹ سے کلی اجتناب کرتے تھے یہ بالکل درست ہے۔ لیکن "الصحابة کلھم عدول" کے صرف یہی معنی مراد لینا اور پوری زندگی کے اعتبار سے ان کو عادل نہ سمجھنا بچند وجوہ غلط ہے۔

(۱) متقدمین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں اور نہ ہی اصول کی کسی کتاب سے اس معنی کی تشاندہی کی جا سکتی ہے۔

(۲) سب سے پہلے قرآن کریم نے اور اس کے بعد فقہاء اور محدثین نے "عادل" کو فاسق کے مقابلہ میں استعمال کیا ہے، اور فاسق صرف روایت حدیث میں جھوٹ بولنے والے کو ہی نہیں کہتے بلکہ فسق کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ سے ہے لہٰذا عادل بھی اسی کو کہیں گے جو زندگی کے تمام شعبوں کے اعتبار سے عادل ہو۔

(۳) متقدمین میں سے جن لوگوں نے بھی عدالت صحابہ رضی پر کلام کیا ہے، انہوں نے ان تمام آیات و احادیث سے استدلال کیا ہے، جن میں "خیر امت" یا "امت وسط" یا "رضی اللہ عنہم" کے الفاظ یا صحابہ کرام کے دوسرے فضائل و مناقب کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ صحابہ رضی کا "خیر امت" یا "امت وسط" یا "مستحق رضائے الٰہی" ہونا یا دوسرے فضائل و مناقب کے ساتھ موصوف ہونا صرف اس لیے نہیں تھا کہ وہ روایت حدیث میں جھوٹ نہیں بولتے تھے بلکہ پوری زندگی کے اعتبار سے تھا، اس لیے پوری زندگی کے اعتبار سے وہ حضرات عادل تھے جبھی تو علماء نے فضائل و مناقب کی آیات و احادیث کے ساتھ ان کی عدالت پر

استدلال کیا ہے ورنہ اگر ان کے عادل ہونے کے یہی معنی ہوتے کہ وہ روایت حدیث میں جھوٹ نہیں بولتے تھے تو صرف اتنا کہہ دینا کافی ہوتا کہ تاریخ شاہد ہے کہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے کبھی کسی غلط بات کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں کی اور کبھی آپ سے روایت کرنے میں جھوٹ کا ارتکاب نہیں کیا۔

(۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عادل ہونے کے اگر یہی معنی ہوتے تو بعض اہل بدعت فرقے مثلاً قدریہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلافات و نزاعات رونما ہونے کے بعد اختلافات میں حصہ لینے والے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالف صحابہ رضی اللہ عنہم کی عدالت میں کیوں اختلاف کرتے جبکہ آج تک کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت حدیث میں جھوٹ ثابت نہیں۔

جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ "الصحابۃ کلھم عدول" کے یہ معنی ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روایت حدیث میں جھوٹ نہیں بولتے تھے اور آپ کی طرف کسی غلط بات کی نسبت نہیں کرتے تھے اور بس۔ انہیں دو وجہ سے غلطی لگی ہے۔ ایک تو متقدمین مثلاً ابن الانباری وغیرہ رحمہم اللہ کا "الصحابۃ کلھم عدول" کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے "المراد قبول روایاتھم من غیر تکلف البحث عن اسباب العدالۃ وطلب التزکیۃ" کے الفاظ ہیں جن سے شبہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عادل ہونے کے یہی معنی ہیں کہ ان کی روایات اسباب عدالت سے بحث کیے بغیر قبول کی جائیں گی بس اسی سے یہ سمجھ لیا گیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عادل ہونا روایت حدیث کی حد تک ہے۔

حالانکہ بالکل واضح بات ہے کہ انکی روایات اسباب عدالت سے بحث کیے بغیر اسلیے قبول کی جائیں گی کہ ان کی عدالت کتاب و سنت کی نصوص سے ثابت ہے

اور عدالت وہی جو روایت حدیث میں معتبر ہے، یعنی اجتناب کبائر و عدم اصرار بر صغائر اور خلاف مروت باتوں سے پرہیز تو پھر اسباب عدالت سے بحث کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ خود ابن الانباری رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں اس کی تصریح موجود ہے۔ فرماتے ہیں:-

الا ان يثبت ارتكابه قادح و لم يثبت	الا یہ کہ کسی قادح کا ارتکاب ثابت ہو جائے اور یہ ثابت نہیں۔

یعنی ہر صحابہ کرام سے کوئی قادح عدالت امر ثابت ہی نہیں۔

صحابہ کرام معصوم نہیں تھے

صحابہ کرام کامل تزکیہ نفس اور طہارت باطن کے باوجود بہرحال انسان ہی تھے اور ہر غیر نبی انسان غیر معصوم ہے۔ کیونکہ معصوم وہ ہے جو گناہ اور لغزش سے بالکل محفوظ و مصئون ہو۔ نیز ذاتی اور خارجی اسباب کی بناء پر اس سے گناہ کا صدور ہی ناممکن ہو۔ خداوند قدوس خود اس کی حفاظت و صیانت کا ذمہ دار ہو۔ یہ درجہ صرف انبیاء کرام علیہم السلام کو حاصل ہے۔ جن کی ذات گرامی امت کے لئے منبع و مرکز ہدایت و سعادت ہوتی ہے اور جن کی ذرا سی لغزش سے اقوام و ملل کی زندگی کا نظام تہ و بالا ہو سکتا ہے۔ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ مفردات قرآن میں تحریر فرماتے ہیں:-

وعصمة الانبياء حفظه تعالى اياهم اولاً بما خصهم به من صفاء الجواهر ثم بما	اور عصمت انبیاء سے مراد وہ نگرانی اور حفاظت ہے جو جناب باری تعالیٰ کی طرف سے ان کی ہوتی ہے۔ اولاً اس طرح کہ

اولاً هم من الفضائل الجسمیہ والنفسیۃ ثم بالنصرۃ وتثبت اقدامهم ثم بانزال السکینۃ علیهم و بحفظ قلوبهم و بالتوفیق قال تعالیٰ واللہ یعصمك من الناس

ان کا مایۂ خمیر ہی طہارت و پاکیزگی کو بنا دیا جاتا ہے، پھر اس طرح کہ ان کو اعلیٰ جسمانی و نفسانی کمالات عطا فرمائے جاتے ہیں۔ پھر اس طرح کہ نازک مواقع پر نصرت خداوندی ان کی مدد کرتی ہے اور ان کے قدموں کو راہ حق سے ڈگمگانے نہیں دیا جاتا پھر اس طرح کہ انکو نعمت باطنی، جمعیت قلبی اور توفیق خیر سے سرفراز فرمایا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے "واللہ یعصمك من الناس"

لیکن صحابہ کرامؓ سے بتقاضائے بشریت و عدم عصمت "عدولی" جو صلاحیت کا وجود معصیت کا صدور ممکن ہے۔ لیکن محض صدور معصیت منافی عدالت نہیں ہے۔

محض صدور معصیت عدالت کے منافی نہیں

ہم بیان کر چکے ہیں کہ روایت اور شہادت کے باب میں عدالت بمقابلہ فسق اور عادل بمقابلہ فاسق استعمال ہوتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ آیت "والذین یرمون المحصنٰت الی قولہ واولئک ھم الفسقون" کے تحت لکھتے ہیں کہ اس آیت میں تین احکام ہیں، اور تیسرا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

والثالث ان یکون فاسقا لیس بعدل لا عند اللہ ولا عند الناس [1]	تیسرا یہ کہ (قاذف) فاسق ہو جائیگا، عادل نہیں رہے گا اور نہ اللہ کے ہاں، نہ لوگوں کے ہاں۔

اگر کسی عادل سے فسق کا صدور ہو جائے یعنی کوئی ایسا امر سرزد ہو جائے جو کہ موجب ہو تو اس سے ہمیشہ کے لیے اس کی عدالت ختم نہیں ہو جاتی، بلکہ اگر توبہ کرلے تو پہلے کی طرح عادل ہی سمجھا جائے گا اور اسکی عدالت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیت کے متصل اگلی آیت ہے :-

الا الذین تابوا واصلحوا فان اللہ غفور الرحیم	مگر جنہوں نے توبہ اور اصلاح کرلی تو اللہ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں :-

فالاستثناء عامل فی فسق باجماع [2]	یعنی تمام علماء کے نزدیک توبہ سے فسق زائل ہو جائے گا۔

---

(۱) تفسیر ابن کثیر - ج ۳ - ص ۲۶۴ (۲) تفسیر قرطبی - ج ۱۲ - ص ۱۷۹

خطیب علیہ الرحمۃ ایسے امور کا ذکر کرنے کے بعد جن سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے فرماتے ہیں :۔

كل من ثبت عليه فعل شيء من هذه الكبائر المذكورة او ما كان بسببها كشرب الخمر واللواطة ونحوهما فعدالته ساقطة وخبره مردود حتى يتوب (1)

جس کے متعلق ثابت ہو جائے کہ وہ ان کبائر یا ان جیسے دوسرے گناہوں مثلاً شراب نوشی، عمل قوم لوط وغیرہ کا مرتکب ہے، تو اس کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے اور اس کی خبر مردود ہو گی۔ یہاں تک کہ توبہ کر لے۔

اس استثناء "حتی یتوب" کا مطلب یہ ہے کہ اگر توبہ کر لے تو اس کی عدالت بھی بحال ہو جائے گی اور اس کی خبر بھی قبول کی جائے گی۔

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ پر شراب نوشی کے الزام اور ان پر (؟) حد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

وليست الذنوب مسقطة للعدالة اذا وقعت منها التوبة (2)

اور گناہ مسقط عدالت نہیں ہیں جبکہ ان سے توبہ کر لی جائے۔

حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ مقبول الروایۃ اور مردود الروایۃ پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

التائب من الكذب في حديث الناس وغيره من

عام گفتگو میں جھوٹ اور دیگر اسباب فسق سے توبہ کرنے والے کی

---

(1) الکفایہ ۔ ص ۱۰۵ (2) العواصم من القواصم ۔ ص ۹۴

اسباب الفسق تقبل روایتہ[1] روایت قبول کی جائے گی۔
علامہ عراقی، امام نووی اور علامہ سیوطی رحمہم اللہ نے حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع میں یہی لکھا ہے۔
مذکورہ بالا محدثین کے اقوال سے معلوم ہوا کہ اسباب فسق سے توبہ کر لینے کی صورت میں عدالت بحال ہو جاتی ہے اور بصورت دیگر آدمی فاسق، مردود الروایۃ والشہادۃ ہو جاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ سے صدور معصیت

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے معصیت کا صدور صرف ممکن ہے، ضروری نہیں تاکہ اس موضوع سے متعلق تمام بے سروپا تاریخی روایات کا ماننا ضروری ہو، کیونکہ مقتضائے نفس کامل تزکیہ نفس اور فسوق وعصیان سے شدید نفرت کے باعث تمام حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین معصیت کے ارتکاب سے اجتناب کرتے تھے۔ بتقاضائے بشریت اگر کبھی معصیت کا صدور ہو جاتا تو تزکیہ نفس اور فسق وعصیان سے نفرت کی خدائی ضمانت کے طفیل اور آنحضرتؐ کی صحبت کی برکت سے بہت جلد انہیں توبہ کی توفیق ہو جاتی اور وہ سچے دل سے توبہ کر لیتے۔ یہ محض حسن عقیدہ ہی نہیں بلکہ ارشاد ربانی "وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان" کا لازمی تقاضا ہے۔ اگر وہ بار بار ایک گناہ کرتے چلے جائیں یا ایک دفعہ کرنے کے بعد توبہ نہ

---

(۱) مقدمہ ص ۱۰۳ طبع جدید، فتح المغیث (عراقی) ج ۲ ص ۲۸، تقریب مع التدریب ص ۲۲۰، منہج ذوی النظر مع شرح منظومۃ علم الاثر ص ۱۰۷

کریں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ انہیں گناہ سے نفرت اور کراہت نہیں تھی اور قرآن نے (معاذ اللہ) یونہی ایک بات کہ ڈالی۔

بہرحال اگر کوئی غلطی ان سے سرزد ہوئی بھی ہے تو انہیں اسکی معافی مل چکی ہے کیونکہ اللہ ان سے رضامندی کا اظہار کر چکا ہے اور انہیں جنت کی بشارت دی جا چکی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں :۔

وما قدر انہ کان فیہ ذنب من الذنوب لھم فھو مغفور لھم اما بتوبۃ اما بحسنات ماحیۃ و اما بمصائب مکفرۃ واما بغیر ذلک فانہ قد قام الدلیل الذی یجب القول بموجبہ انھم من اھل الجنۃ فامتنع ان یفعلوا ما یوجب النار لا محالۃ [1]

صحابہ کرام کی طرف منسوب لغزشوں میں سے جن کے متعلق فرض کر دیا گیا ہے کہ ان میں ان حضرات کا کچھ گناہ تھا، پس وہ انہیں معاف ہو چکی ہیں، یا تو توبہ کے ساتھ یا نیکیوں کے ساتھ جو گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، یا مصائب کے ساتھ جو گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں، یا اس کے علاوہ کسی اور طریق سے کیونکہ (اسکی) ایک ایسی دلیل قائم ہو چکی ہے جس کے موجب کا اقرار کرنا واجب ہے، وہ یہ کہ صحابہ کرامؓ جنتی ہیں، پس محال ہے کہ وہ کوئی ایسا کام کر گذریں جو دوزخ کا موجب ہو۔

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں :۔

---

(۱) المنتقیٰ ۔ ص ۲۱۹

وما قدر من هذه الامور ذنبا محققا فان ذلک لا یقدح فیما علم من فضائلهم و سوابقهم و کونهم من اهل الجنة ¹

ان لغزشوں میں جن کا سچ مچ گناہ ہونا تسلیم کر لیا گیا ہے وہ ان صحابہ کرام کے فضائل اور سابقہ اعمال خیر اور جنتی ہونے میں قادح نہیں۔

صاحب روح المعانی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ "الاجوبۃ العراقیہ علی الاسئلۃ الایرانیۃ" میں عدالت صحابہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

انه ما مات من ابتلی منهم بفسق الا تائبا عدلا ببرکة نور الصحبة

بے شک صحابہ کرام میں سے جو شخص بھی کسی موجب فسق امر میں مبتلا ہوا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور صحبت کی برکت سے توبہ کر کے عادل ہونے کی حالت میں فوت ہوا۔

آگے اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے، کہ جب بعض صحابہ کرام سے موجب فسق امر کا صدور ثابت ہے تو جب تک اس کی توبہ کا علم نہ ہو، عدالت ثابت نہیں ہو گی، فرماتے ہیں:۔

انه لابد من ان یتوب ببرکة الصحبة التی هی الاکسیر الاعظم ²

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے اس کا توبہ کرنا ضروری ہے کیونکہ آپ کی صحبت اکسیر اعظم ہے۔

02186

خلاصۂ بحث

خلاصہ یہ کہ راوی حدیث اور شاہد (گواہ) کا عادل ہونا ضروری ہے۔ اور روایت و شہادت میں کوئی شخص اسی وقت عادل ہوگا جب کہ اپنی زندگی کے اعتبار سے عادل ہو یعنی کبائر سے اجتناب کرنے والا اور صغائر پر اصرار نہ کرنے والا اور خلافِ مروت باتوں سے پرہیز کرنے والا ہو۔ جب کوئی دوسرا اسی معنی کے اعتبار سے عادل ہو سکتا ہے، تو صحابہ کرامؓ بدرجہ اولیٰ اس معنی کے اعتبار سے عادل ہو سکتے ہیں۔ پھر جبکہ ان سے دین جیسی گرانمایہ امانت کے اخذ میں ان پر جرح کرنا اور ان کے اندرونی حالات اور باہمی معاملات کی چھان بین کرنا جائز نہیں تو محض تاریخی روایات کی تحقیق و تنقید کی مشق کے لیے ان پر جرح کرنا اور ان کے اندرونی حالات اور باہمی معاملات کی چھان بین کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے جیسا کہ اس دور میں ہو رہا ہے۔

اگر غلط قسم کے تاریخی انتسابات سے صحابہ کرامؓ کی صفائی پیش کرنے سے تاریخ کی صداقت مشکوک اور مجروح ہو جاتی ہے تو عدالتِ صحابہؓ کو مجروح کرنے والی تاریخی روایات سے پورا دین مشکوک اور بے اعتبار ہو کر رہ جاتا ہے اس لیے صحابہ کرامؓ کا عادل اور فسوق و عصیان سے بری ہونا تو مسلّم ہے لیکن وہ تاریخی روایات جو ان کی طرف فسوق و عصیان یا خلافِ مروت امور کی نسبت کرتی ہیں مردود اور ناقابلِ تسلیم ہیں۔ باقی تاریخ کا وہ حصہ جو صحابہ کرامؓ کے

شاندار کارناموں سے متعلق ہے صحابہ کرامؓ کی بلند شان اسکی محتاج نہیں، ان کی شان اس سے کہیں اونچی ہے، بجز تاریخ کے اس حصہ کو صرف اگر ایسے مان لیتے ہیں کہ صحابہ کی شان کے یہی شایان ہے۔

مشاجرات صحابہؓ

مشاجرات سے مراد وہ اختلافات اور جنگیں ہیں جو حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان رونما ہوئیں۔ بعض لوگ دوسرے صحابہؓ کی عدالت کے تو قائل ہیں لیکن حضرت علیؓ کے مخالف صحابہؓ یا اختلافات میں حصہ لینے والے تمام صحابہ کرامؓ کی عدالت کے قائل نہیں، اگرچہ اختلافات سے پہلے وہ ان کی عدالت کے بھی قائل نظر آتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ علماء امت کے نزدیک ان اختلافات کی جو شرعی حیثیت ہے اس کو بیان کیا جائے اور یہ کہ امت کے لیے اس مقام پر ادب کا کیا تقاضا ہے۔

چنانچہ ابن الہمام رحمہ اللہ علامہ سبکی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں۔

ونحن نسلم امرهم فيما	اور ہم ان کے آپس کے وقائع کو اللہ
جرى بينهم الى ربهم	تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ
جل وعلا ونبرأ الى الملك	کی بارگاہ میں ان لوگوں سے برائت پیش
سبحانه من يطعن فيهم	کرتے ہیں جو ان میں طعن کرتے ہیں اور ہم
ونعتقد ان الطاعن على ضلال	اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ
مهين وخسران مبين مع	عنہ امام حق تھے اور وہ مظلوم قتل ہوئے
اعتقاد فان الامام الحق	اور اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو ان کے قتل
كان عثمان وانه قتل مظلوماً	میں حصہ لینے سے محفوظ رکھا۔ ان کو قتل کرنے والا
وحمى الله الصحابة رض من	بہت متعنت شیطان تھا کسی صحابی سے آپ کے

مباشرۃ قتلہ فما المتولی قتلہ کان
شیئا أمر بہ الا نحفظ عن
احد الرضا بقتلہ انما المحفوظ
الثابت من کل منھم انکار ذلک
ثم کانت مسئلۃ الاخذ بالثأر
اجتہادیۃ رأی علی کرم اللہ وجہہ
ان التاخیر مصلحۃ ورأت عائشۃ
رضی اللہ عنہا البدار مصلحۃ
وکل جری علی وفق اجتہادہ
وھو ماجور ان شاء اللہ تعالیٰ
ثم کان الامام الحق بعد ذلک
امیر المؤمنین علیا کرم اللہ وجہہ
وکان معاویۃ رضی اللہ عنہ
متأولا ھو وجماعتہ ومنھم
من قعد عن الفریقین واحجم
عن الطائفتین لما اشکل الامر
وکل عمل بما ادی الیہ اجتہادہ
والکل عدول رضی اللہ عنھم
فھم نقلۃ ھذا الدین و

قتل پر رضامندی ثابت نہیں اسی صحابہ
کرام سے ان پر انکار ہی ثابت ہے پھر
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا
مسئلہ اجتہادی تھا، حضرت علیؓ کی رائے
تھی کہ تاخیر میں مصلحت ہے اور حضرت
عائشہؓ کی رائے تھی کہ جلدی میں مصلحت ہے
اور ہر ایک اپنے اجتہاد پر عامل ہوا اور انشاء اللہ
وہ اجر حاصل کرنے والا ہے پھر امام حق بعد کی ترتیب
امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ
تھے اور حضرت معاویہؓ اور ان کی جماعت
تاویل کرنے والے تھے اور انہی میں سے
وہ لوگ تھے جو ہر فریق سے علیحدہ رہے
اور ہر طائفہ کے ساتھ تنقید کرنے سے
رک گئے کیونکہ ان کو مسئلہ میں اشکال ہو
گیا تھا اور ہر ایک نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور
سبھی عادل ہیں سب وہی اس دین کے
نقل کرنے والے اور اس کے اٹھانے
والے ہیں، انہیں کی تلواروں سے دین
غالب ہوا اور انہیں کی زبانوں سے پھیلا

حملته الذين باسيافهم ظهر بالسنتهم انتشر ونحن تلونا الاى وقصصنا الاحاديث فى تفضيلهم لطال الخطاب فهذه كلمات من اعتقد خلافها كان على ضلال وبدعة فليضمر ذوالدين هذه الكلمات عقدا ثم ليكف عما جرى بينهم فتلك دماء طهر الله منها ايدينا فلا نلوث بها السنتنا اهـ [1]	اگر ہم ان آیات کی تلاوت کریں اور ان احادیث کو بیان کریں جو ان کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں تو بہت زیادہ طول ہو جائے پس یہ کلمات ایسے حقائق ہیں کہ جو ان کے خلاف عقیدہ رکھے گا وہ لغزش اور بدعت میں مبتلا ہے دیندار کو اس پر عقیدہ رکھنا چاہیئے اور جو کچھ ان میں واقعات پیش آئے ان سے زبان کو روکنا چاہیئے۔ یہ وہ خون ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے ہاتھ پاک کر رکھا ہے تو ہم کو چاہیئے کہ اپنی زبانوں کو اس سے ملوث نہ کریں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ ابو منصور بغدادیؒ سے نقل کرتے ہیں۔

واما معاوية رضى الله عنه فهو من العدول الفضلاء والصحابة الاخيار والحروب التى جرت بينهم كانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب نفسها	اور لیکن حضرت معاویہؓ پس وہ عدول فضلاء اور بہترین صحابہ میں سے ہیں اور جو لڑائیاں آپس میں واقع ہوئی ہیں تو ہر ایک جماعت کو شبہ تھا جس سے ہر ایک اپنے آپ کو حق اور صواب پر سمجھتی

---

[1] تحریر الاصول مع شرح تقریر الاصول ج ۲ ص ۲۶۱

بسببها وكلهم متاولون	تھی اور سب کے سب اپنی اپنی لڑائیوں میں
فی حروبهم ولم يخرج احد	تاویل کرنے والے تھے ان میں سے کوئی
منهم من انعد الة لانهم	بھی اس وجہ سے عدالت سے نہیں نکلا
مجتهدون اختلفوا فى	کیونکہ سب مجتہد تھے۔ متعدد مسائل میں
مسائل كما اختلف المجتهدون	باہم اختلاف ہو گیا جیسے کہ بعد میں مجتہدین
بعدهم فى مسائل ولا يلزم من	نے ایک دوسرے سے اختلاف کیا کسی
ذالك نقص احد منهما له	کو کوئی نقصان عارض نہیں ہوا۔

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ عدالت صحابہ سے متعلق شکوک و شبہات کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

وكذالك كل من قاتل عليا رضوان الله عليه يوم صفين و اما	ایسے ہی وہ تمام صحابہؓ جنہوں نے حضرت علیؓ سے صفین کے دن قتال کیا یعنی وہ
اهل الجمل فما قصدوا قط	سب متاول تھے اور لیکن اہل جمل پس
قتال على رضوان الله عليه ولا	انہوں نے ہرگز حضرت علیؓ سے لڑائی کا
قصد على رضوان الله عليه	ارادہ نہیں کیا اور نہ ہی حضرت علیؓ نے
قتالهم وانما اجتمعوا بالبصرة	ان سے قتال کا قصد کیا۔ وہ تو بصرہ میں
للنظر فى قتلة عثمان رضوان	قاتلین عثمانؓ کے متعلق غور و فکر کرنے
الله عليه واقامة حق الله تعالى	اور ان پر اللہ کا فیصلہ نافذ کرنے کی
فيهم فتسرع الخائفون على	غرض سے جمع ہوئے تھے پس جن لوگوں کو

له مرقاۃ شرح مشکوٰۃ

انفسهم اخذ عند الله تعالیٰ منهم وكانوا اعداء اعظيمة يقربون من التوق فاثاروا القتال خفية حتى اضطر كل واحد من الفريقين الى الدفاع عن انفسهم اذ رأوا السيف قد خالطهم وقد جاء ذلك نصا مرويا [1]

اپنے اوپر اللہ کا مقرر کردہ حکم نافذ کیے جانے کا خطرہ تھا انہوں نے چپکے سے جنگ برپا کرنے میں سبقت کی حتیٰ کہ ہر فریق نے جب یہ دیکھا کہ تلوار انہیں آ لپکی ہے تو دفاع پر مجبور ہو گیا اور یہ بات صریحاً منقول ہے۔

اس کے بعد اپنے مخصوص انداز میں ائمہ کا ذکر کرتے ہوئے کہ جب ان آئمہ کے لئے اجتہاد کو مباح قرار دیا جاتا ہے۔ اور ان کو تحصیل و تحریم کا حق دیا جاتا ہے حالانکہ ان کے لئے جنتی ہونے کا اور ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اگرچہ حسن ظن کی بناء پر ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بھی اُمید ہے تو پھر صحابہ کرامؓ کے لئے اس کو کیوں روا نہیں رکھا جاتا۔ فرماتے ہیں

ثم لا تجيز ذلك لعلى وام المؤمنين وطلحة والزبير وعمار وهشام بن حكيم ومعاوية و عمرو والنعمان وسمرة وابى الغادية وغيرهم وهم ائمة الاسلام حق وغيرهم وهم

پھر بھی حق علی، ام المومنین، طلحہ، زبیر، عمار، ہشام بن حکیم، معاویہ، عمرو، نعمان، سمرہ، ابو الغادیہ اور دوسرے حضرات رضوان اللہ علیہم کو نہیں دیتے حالانکہ وہ حقیقتاً آئمہ اسلام ہیں اور ان کی فضیلت اور

ائمة الاسلام حق والمقطوع	ان میں سے اکثر کا جنتی ہونا قطعی
علی فضلهم وعلی اکثرهم بانهم	اور یقینی ہے۔ یہ تمام حضرات جن کا
فی الجنة وهذا الاخیل الا علی	ہم نے ذکر کیا کوئی مصیب ہو یا مخطی
عدول وکل من ذکرنا من مصیب	پس اس کو اجر ملیگا۔ دہرا یا ایک۔
او مخطئ فما جور علی اجتهاده اما	اور یہ سب کچھ جو ان سے صادر ہوا
اجرین واما اجرا وکل ذلك	ان کی عدالت کو ساقط نہیں کرتا۔
غیر مسقط عدالتهم [1]	

شارح عقائد نسفیہ علامہ سعد الدین تفتازانی لکھتے ہیں

وما وقع بینهم من المنازعات	صحابہ کرام کے درمیان جو تنزاعات
والمحاربات فله محامل و	اور محاربات وقوع پذیر ہوئے ان کے
تاویلات [2]	معقول محامل اور تاویلات ہیں۔

علامہ فرھاروی رحمہ اللہ اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والمجمل انهم کانوا یطلبون الحق	اجمالاً یہ کہ وہ تمام حضرات حق کے
ولکن یصیب بعضهم فی	متلاشی تھے لیکن ان میں سے بعض حضرات
الاجتهاد ویخطی بعضهم	اپنے اجتہاد میں صائب الرائے تھے
والمخطی فی الاجتهاد غیر	اور بعض خطا پر۔ ان میں سے جو خطا
ماخوذ بل ماجور وهکذا	پر تھا اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں بلکہ
جرت عادة السلف الصالحین	اسے بھی اجر ملیگا اور سلف صالحین

۱۔ احکام الاحکام (ابن حزم) ج ۲ ص ۸۷ ۔ ۲۔ شرح عقائد ص ۱۱۶

مجمل افعال الصحابۃ علی مقاصد صحیحۃ [1]

کی عادت اسی طرح واقع ہوئی ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کے افعال کو مقاصد صحیحہ پر محمول کرتے تھے۔

عارف ربانی امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

المبحث الرابع والاربعون فی بیان وجوب الکف عما شجر بین الصحابۃ ووجوب اعتقاد انھم ماجورون وذلک لانھم کلھم عدول باتفاق اھل السنۃ سواء من لابس الفتن ومن لم یلابسھا کفتنۃ عثمانؓ ومعاویۃؓ ووقعۃ الجمل کل ذلک وجوبا لاحسان الظن بھم حملا لھم فی ذلک علی الاجتھاد فان تلک امور مبناھا علیہ وکل مجتھد مصیب او المصیب واحد والمخطی معذور بل ماجور قال ابن الانباری ولیس المراد بعدالتھم ثبوت العصمۃ لھم واستحالۃ

چوالیسویں مبحث صحابہؓ کرام کے باہمی اختلافات سے کف لسان کے وجوب کے بیان میں ہے اور یہ عقیدہ رکھنے کے وجوب میں کہ ان کو اس میں اجر ملیگا یہ اس لیئے کہ وہ باتفاق اہل سنت سب کے سب عادل تھے خواہ ان میں سے کسی نے اختلاف اور فتن میں حصہ لیا یا نہیں جیسے قتل عثمانؓ کا فتنہ اور معاویہ کا اختلاف اور جمل کا قصہ یہ سب اُن کے ساتھ حسن ظن کی بناء پر ان کے افعال کو اجتہاد پر محمول کرنے کی وجہ سے ہے کیونکہ ان تمام امور کا مبنی اجتہاد پر ہے اور ہر مجتہد راستی پر ہوتا ہے یا (علی اختلاف القولین) ایک

---

[1] بحوالہ شرح عقائد ص ۱۴۱

المعصیة منهم وانما المراد قبول
روایاتهم لنا احکام دیننا من غیر
تکلف ببحث عن اسباب العدالة و
طلب التزکیة ولم یثبت لنا الی
وقتنا هذا شئ یقدح فی عدالتهم
وللہ الحمد فنحن علی استصحاب
ما کانوا علیه فی زمن النبی صلے اللہ
علیه وسلم حتی یثبت خلافه ولا
التفات الی ما یذکره بعض اهل
السیر فان ذلك لا یصح وان
صح فله تاویل صحیح وما احسن
قول عمر بن عبد العزیز رضی
اللہ عنه تلك دماء طهر اللہ
تعالی منها سیوفنا فلا نخضب
بها السنتنا وکیف یجوز
الطعن فی حملة دیننا فمن
لم یأتنا خبر عن نبینا صلے اللہ
علیه وسلم الا بواسطتهم
فمن طعن فی الصحابة فقد

راستی پر اور صاحب خطا معذور بلکہ
مستحق اجر ہوتا ہے۔ ابن الانباری رحمہ
اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام سے عدالت
سے ان کا معصوم ہونا مراد نہیں تاکہ
ان سے خطا کا صدور محال ہو (بلکہ)
صرف یہ مراد ہے کہ ہمارے دین کے
جو احکام ان کی روایت سے ہم تک
پہنچتے ہیں ان کو بلا تکلف اسباب
عدالت سے بحث اور طلب تزکیہ
کے بغیر قبول کر لیا جائے گا (کیونکہ)
بحمد اللہ کوئی ایسی چیز جو ان کی عدالت
میں قادح ہو آج تک ثابت نہیں
ہوئی پس ہم انہیں اسی صفت عدالت
پر سمجھیں گے جس پر وہ زمانہ نبوی میں
تھے یہاں تک کہ اس کا خلاف
ثابت ہو جائے (باقی) اہل سیر جو
کچھ نقل کرتے آئے ہیں اس کو بنظر
التفات نہیں دیکھا جائے گا کیونکہ
وہ صحیح نہیں اور اگر (بالفرض) صحیح بھی

طعن فی نفس دینه فیجب سد
الباب جملة واحدة لاسیما
الخوض فی امر معاویةؓ وعمروؓ
بن العاص واضرابهما ولا
ینبغی الاغترار بما نقله بعض
الروافض عن اهل البیت من
کراهیتهم فان مثل هذه
المسئلة منزعها دقیق ولا
یحکم فیها الا رسول الله صلے
الله علیه وسلم فانها مسئله
نزاع بین اولاده واصحابه
قال الکمال بن ابی شریف ولیس
المراد بما شجر بین علیؓ و
معاویةؓ المنازعة فی الامارة
کما توهمه بعضهم وانما
المنازعة کانت بسبب تسلیم
قتلة عثمان رضی الله عنه
الی عشیرته لیقتصوا منهم
لان علیاًؓ کان رأی ان تاخیر

ہو تو اس کی صحیح تاویل کی جاسکتی ہے۔ حضرت
عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ نے کیسی اچھی بات
کہی کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہماری تلواروں کو
ان کے خونوں سے بچائے رکھا ہے تو ہم اپنی زبانوں
کو ان سے کیوں رنگیں۔ (بھلا) دین کے حاملین
اور ان ہستیوں میں (کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ
وسلم کی ہر بات انہی سے ہم تک پہنچی) طعن
کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے پس جس نے صحابہؓ
میں طعن کیا (گویا) اس نے اپنے دین میں طعن کیا
اس لیے طعن کا دروازہ کلیۃً بند ہو جانا چاہیے
خصوصاً حضرت معاویہؓ اور عمروؓ بن العاص
رضی اللہ عنہما اور ان جیسے دوسرے حضرات
کے معاملہ میں خوض اور بعض روافض نے
جو یہ نقل کیا ہے کہ اہل بیت ان کو اچھا نہیں
جانتے تھے اس سے دھوکہ میں نہیں آنا چاہیے
کیونکہ اس قسم کے مسائل کا ماخذ دقیق ہے اس میں
صحیح فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی
فرما سکتے ہیں کیونکہ مسئلہ آپکی اولاد اور اصحاب
میں اختلاف کا ہے کمال بن ابی شریف

تسليمهم اصوب اذا المبادرة بالمقبض عليهم مع كثرة عشائرهم واختلاطهم بالعسكر يؤدى الى اضطراب امر الامامة العامة فان بعضهم كان عزم على الخروج على الامام علیؓ وعلى قتله لما نادى يوم الجمل بان يخرج عنه قتلة عثمانؓ وراى معاويةؓ ان المبادرة الى تسليمهم الاقتصاص منهم اصوب فكل منهما مجتهد ماجور فهذا هو المراد بما شجر بينهم ۱؎

فرماتے ہیں کہ مشاجرات علیؓ ومعاویہؓ سے یہ مراد نہیں کہ ان کا جھگڑا امارت میں تھا جیسا کہ بعض لوگوں کا وہم ہے (بلکہ نزاع تو صرف قاتلین عثمانؓ کو ان کے خاندان کے سپرد کرنے میں تھا تاکہ ان سے قصاص لیا جائے کیونکہ حضرت علیؓ کی رائے یہ تھی کہ قاتلین عثمانؓ کو ان کے خاندان کے سپرد کرنے میں تاخیر زیادہ قرین صواب ہے کیونکہ ان پر ہاتھ ڈالنے میں جلد بازی ان کے خاندانوں کی کثرت کی وجہ سے اور لشکر اسلامی میں ان کے ملے جلے ہونے کی وجہ سے امارت عامہ کے معاملہ کو مضطرب کرنے کی طرف مؤدی تھی کیونکہ ان میں سے بعض لوگوں نے جب حضرت علیؓ نے جمل کے دن ان کو یعنی قاتلین عثمانؓ کو لشکر سے علیحدہ ہونے کا حکم دیا تو حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت اور آپ کے قتل کا ارادہ کر لیا تھا اور حضرت

۱؎ الیواقیت والجواہر ص ۲۲۶

معاویہؓ کی رائے یہ تھی کہ ان سے قصاص لینے کے لئے ان کو (حضرت عثمانؓ کے رشتہ داروں کے) سپرد کرنے میں سبقت کرنا زیادہ قرین صواب ہے (بہر حال) حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں سے ایک مجتہد ماجور ہے پس یہی مراد ہے ان کے باہمی اختلافات سے

مشاجراتِ صحابہؓ حضرت مجددؒ صاحب کی نظر میں

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزاعات اور مشاجرات کے متعلق ارقام فرماتے ہیں۔

اہلسنت شکر اللہ سعیہم مشاجرات و منازعات اصحاب خیر البشر را بر محامل نیک محمول میدارند و از ہوا و تعصب دور میدانند زیرا کہ نفوس ایشان در صحبت خیر البشر علیہ و علیہم الصلوات والتحیات مزکی شدہ بود و سینہائے ایشان از عداوت و کینہ پاک گشتہ غایت ما فی الباب چوں ہر کدام را رائی اجتہاد بودہ و ہر مجتہد را عمل بموافق رائے خود واجب بضرورت در بعض امور بسبب مخالفت آرا مخالفت و مشاجرت

اہلسنت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزاعات و اختلافات کو اچھے محامل پر محمول کرتے ہیں اور خواہش نفسانی و تعصب وغیرہ سے دور سمجھتے ہیں کیونکہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے اثر سے ان کے نفوس صاف ہو گئے تھے اور سینے عداوتوں اور کینوں سے قطعی پاک۔ بیش ازیں نیست کہ ان میں سے ہر ایک کی ایک رائے تھی اور اپنا اپنا اجتہاد اور معلوم ہے کہ ہر مجتہد پر اپنے اجتہاد اور صوابدید کے مطابق عمل کرنا واجب ہے،

لازم گشت و ہریکے را تقلید رائے خود صواب آمد پس مخالفت شاں در رنگ موافقت برائے حق بودہ نہ برائے ہوا و ہوس نفس امارہ [1]

پس اختلاف آراء کی وجہ سے یہ مخالفت اور منازعت ناگزیر ہوئی اور ہرایک نے اپنی رائے کے مطابق عمل کرنا ضروری سمجھا لہٰذا ان کی یہ مخالفت رائے حق کی موافقت کے رنگ میں تھی نہ کہ نفسِ امارہ کی خواہش سے۔

پھر چند سطور کے بعد ارقام فرماتے ہیں :-

محاربان امیر جم غفیر اند از اہل اسلام و از اجلہ اصحاب اند۔ وبعضے از ایشاں مبشر بہ جنت، تکفیر و تشنیع ایشان امر آسان نیست کثرت کلمۃ تخرج من افواہہم قریباً نصف دین و شریعت را نزدیک است کہ ایشاں تبلیغ کردہ باشند اگر ایشاں مطعون باشند اعتماد از شطر دین مے خیزد

جن لوگوں کے حضرت علیؓ سے نزاعات ہوئے اور جنگ و قتال تک نوبت پہنچی وہ اہلِ اسلام کی بہت کثیر جماعت ہے اور ان میں بہت سے جلیل القدر صحابی ہیں اور ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کو دنیا ہی میں زبانِ نبوت سے جنت کی بشارت مل چکی ہے۔ ان کی تکفیر اور علی ہذا القیاس ان کو بُرا بھلا کہنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ دین و شریعت کا قریباً نصف حصہ ایسا ہوگا جو انہی کی وساطت سے امت کو پہنچا ہے۔ اگر وہ بھی مجروح و مطعون ہو جائیں تو آدھا دین بے اعتبار ہو جائیگا۔

[1] دفتر دوم۔ مکتوب نمبر ۳۶

ایک اور مکتوب میں رقمطراز ہیں :-

محاربات و منازعات کہ درمیان
اصحاب کرام علیہم الرضوان واقع
شدہ اند مثل محاربہ جمل و صفین بر
محامل نیک صرف باید نمود و از
ہوا و تعصب دور باید داشت
چہ نفوس این بزرگواران در
صحبت خیر البشر علیہ و علیہم الصلوات
والتسلیمات از ہوا و ہوس مزکیٰ
شدہ بودند و از حرص و کینہ پاک
گشتند اگر مصالحت داشتند برائے
حق داشتند و اگر منازعت و مشاجرت
است برائے حق است ہر گروہے
بمقتضائے اجتہاد خود عمل نمودہ
اند و مخالف را بے شائبہ تعصب
از خود دفع کردہ اند ہر کہ در
اجتہاد خود مصیب است دو
درجہ و بقولے دہ درجہ ثواب
دارد و آنکہ مخطی یک درجہ ثواب اورا

اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین
کے درمیان جو باہمی جنگیں ہوئیں مثلاً
جنگِ جمل اور جنگ صفین ان سبکو
اچھے محامل پر محمول کرنا اور خود غرضیوں
و تعصبات سے دُور رکھنا چاہیئے -
یہ اکابر رسول صلّی اللہ علیہ وسلم کی
صحبت کی تاثیر سے ہوا و ہوس اور
کینہ و حرص سے پاک صاف ہو گئے تھے
یہ اگر کسی سے مصالحت رکھتے تھے تو
صرف حق کے لیے اور اگر کسی سے لڑتے
جھگڑتے تھے تو صرف اللہ کے واسطے -
بلاشبہ ان میں سے ہر گروہ نے اپنے اجتہاد
کے مطابق عمل اور بغیر کسی تعصب اور
خود غرضانہ جذبہ کے دوسروں کو اپنے
سے دفع کیا ہیں ان کا حال یہ ہے کہ
جس کا اجتہاد ان میں سے ٹھیک تھا
اس کو دُو درجے اور ایک قول کے مطابق
دس درجے ثواب ملے گا اور جس سے

نقد وقت است پس مخطی در رنگ
مصیب از ملامت دور است۔
بلکہ امید درجہ از درجات ثواب
دارد علماء فرمودہ اند کہ در آں
محاربات حق بجانب امیر بودہ است
کرم اللہ تعالیٰ وجہہ واجتہاد مخالفاں
از صواب دور بودہ مع ذالک
موارد طعن نیستند و گنجائش ملامت
ندارند چہ جائے آنکہ نسبت کفر
یا فسق کردہ شود، امیر کرم اللہ وجہہ
فرمودہ است برادران ما بما باغی
گشتہ ایشاں نہ کافر اند نہ فاسق
زیرا کہ ایشاں را تاویل است کہ
منع کفر و فسق نماید۔ حضرت پیغمبر
ما فرمودہ است علیہ وعلی آلہ
الصلوٰۃ والسلام ایاکم وما شجر بین
اصحابی پس جمیع اصحاب پیغمبر را علیہ
وعلیہم الصلوات والتسلیمات بزرگی
باید داشت وہمہ را بنیکی یاد

اجتہاد میں غلطی ہوئی ایک درجہ ثواب
سے وہ بھی خالی نہیں رہے گا، غرض
جن لوگوں سے اجتہاد میں غلطی ہوئی
وہ اسی طرح لعن وملامت سے دور
ہیں جس طرح کہ فریق ثانی، بلکہ جیسا
کہ بتلایا گیا وہ بھی کم از کم ایک درجہ
ثواب کے مستحق ہیں۔ ہاں علماء کرام
نے یہ فرمایا ہے کہ ان جنگوں میں
حق حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی
طرف تھا اور آپ کے مخالفین سے
اجتہاد میں غلطی ہوئی۔ بایں ہمہ ان پر
طعن نہیں کیا جا سکتا اور نہ کسی ملامت
ہی کی گنجائش ہے۔ کجا یہ کہ کفر یا
فسق کی ان کی طرف نسبت کی جائے
خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان
کے حق میں فرمایا ہے "یہ ہمارے بھائی
ہیں ہم سے باغی ہوگئے ہیں" نہ وہ
کافر ہیں نہ فاسق کیونکہ ان کا اختلاف
تاویل پر مبنی ہے جو کفر و فسق کیلئے

باید کرد و در حق ہیچ یکے ازیں بزرگواراں بدنباید بود و گمان بدنباید کرد و منازعت ایشاں بہ از مصالحت دیگراں باید داشت طریق فلاح و نجات ایں است چہ دوستی اصحاب کرام بواسطہ دوستی پیغمبر است علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات بزرگے گفتہ فرمایاہ ما آمن برسول اللہ من لم یوقر اصحابہ ل‍ہ

مانع ہے اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم بچو میرے صحابہ کے اختلافات میں دخل دینے سے پس ہم کو تمام اصحاب کرام کی تعظیم کرنا اور سب کو اچھے لفظوں سے یاد کرنا چاہیئے اور ان میں سے کسی کے حق میں بدگوئی اور بدگمانی نہ کرنا چاہیے بلکہ ان کے اختلافات کو دوسروں کی مصالحت سے بہتر سمجھنا چاہیئے، نجات اور کامیابی کی یہی راہ ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے واسطے سے ہے ایک بزرگ (حضرت شیخ شبلی) فرماتے ہیں کہ جس نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر و تعظیم نہیں کی وہ گویا حضور پر ایمان ہی نہیں لایا۔

(العیاذ باللہ)

ل‍ہ دفتر دوم مکتوب نمبر ۶۷

مشاجراتِ صحابہؓ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ کی نظر میں:-

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فریق مخالف حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

اما آنکہ حضرت عائشہ وطلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم مجتہد مخطی معذور بودند از آں قبیل کہ "من اجتہد فقد اخطأ فلہ اجر واحد" پس ازاں جہت کہ متمسک بودند بشبہ ہرچند دلیل دیگر ارجح ازوے بود وموجب آں شبہ دو چیز است یکی آنکہ خلافت برائے حضرت مرتضیٰ منعقد نشد زیرا کہ اہل حل وعقد عن اجتہاد ونصیحۃ للمسلمین بیعت نہ کردہ اند۔

حضرت عائشہ، طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم اجمعین سے جو اجتہادی غلطی ہوئی ہے وہ اس قبیل سے ہے "جس نے اجتہاد کیا اور اس میں خطا کی اس کیلئے ایک اجر ہے" ان کی یہ غلطی اس اشتباہ کی بناء پر تھی (اگرچہ زیادہ مضبوط مسلک دوسرا ہی تھا) کہ ایک یہ کہ حضرت مرتضیٰ کی خلافت منعقد نہ ہوئی تھی اور دوسرے یہ کہ ارباب حل وعقد نے غور وفکر اور مسلمانوں کی خیرخواہی دیکھ کر بیعت نہ کی تھی

فریق ثانی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

واما آنکہ معاویہ مجتہد مخطی معذور

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مجتہد مخطی معذور

بود پس از آں جہت کہ تمسک بود بشبہ ہر چند دلیل دیگر در میزان شرع راجح تر از آں بر آمد ماند آنچہ در قصہ اہل جمل تقریر کردیم [1]	ہونا اس وجہ سے ہے کہ انہیں اس معاملہ میں شبہ لاحق ہو گیا تھا اگر چہ میزان شرع میں اس سے وزن دار حجت موجود تھی۔ یہ شبہ وہی تھا جس کا ہم اصحاب جمل کے تحت ذکر کیا۔

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مابین جو اختلافات اور جنگیں ہوئیں ان کا مبنی اجتہاد پر تھا، جو کچھ انہوں نے کیا اجتہاد کی بنا پر محض طلب حق کے لیے کیا۔ اسمیں ان کی بدنیتی، ذاتی یا سیاسی اغراض کو قطعاً دخل نہیں تھا اس لیے "کل مجتھد مصیب اوالمصیب واحد والمخطی معذور بل ماجور" کے اصول کے پیش نظر اجمالاً دونوں جانب کے حضرات کو حسب صواب رائے، راستی اور صواب پر سمجھنا چاہیے اور اگر تفصیل کی ضرورت پڑے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مخالف فریق کو مجتہد معذور سمجھ کر ان کی خطا کو خطائے اجتہادی کہنے پر اکتفا کی جائے جس پر "ان اصاب فلہ اجران وان اخطأ فلہ اجر واحد" کے اصول کے پیش نظر یقیناً انہیں اجر ملے گا۔ بلکہ اس سے بھی احوط طریق یہ ہے کہ ہر دو فریقین

[1] ازالۃ الخفاء۔ ص ۲۷۹ - ۲۸۰

کو راستی اور صواب پر تسلیم کرتے ہوئے نسبتاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اقرب الی الصواب اور اقرب الی الحق تسلیم کیا جائے۔ ایک متفق علیہ صحیح حدیث سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ فتنۂ خوارج اور ان سے قتال کرنیوالی جماعت کے متعلق پیش گوئی کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" فیقتلها ادلی الطائفتین " اور ایک روایت میں ہے " ادنی الطائفتین من الحق " یعنی جو جماعت حق سے زیادہ قریب ہوگی وہ ان (خوارج) سے قتال کرے گی۔ ہمانتے والے یہ جانتے ہیں کہ پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ خوارج سے برسرِ پیکار ہوئے اگرچہ بعد میں یہ سعادت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی حاصل ہو کر رہی۔ جہاں اس روایت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اقرب الی الحق ہونا ثابت ہوتا ہے وہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا فی الجملہ حق پر ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

و فیہ ان اصحاب علی ادنی الطائفتین الی الحق و هذا هو مذهب اهل السنة والجماعة ان علیا هو المصیب وان کان معاویة مجتهدا وهو ماجور ان شاء الله ولکن علی هو الامام فله اجران [1]	اس حدیث میں اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی حق سے زیادہ قریب تھے اور یہی اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ثواب پر تھے اگرچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے اور ان شاء اللہ انہیں اجر ملے گا لیکن امام حضرت علی تھے پس ان کیلئے دو اجر ہیں۔

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۲۷۹

دیکھیے حافظ صاحب رح نے بھی تقریباً وہی بات کہی ہے جو باقی تمام علماء کہتے ہیں لیکن مزید ادب ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت علیؓ کو "مصیب" کہنے پر اکتفا کی اور حضرت معاویہؓ کی بابت خطا کی نسبت سے سکوت ہی کر گئے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

اس روش سے نہ تو کوئی دین کی عمارت ہی گرے گی اور نہ ہی حق و باطل کا معیار خراب ہوگا۔ اس پر اغیار ہمیں طعنہ بھی دیں تو گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہمارے دینی آباؤ اجداد ہیں، ہم ان کے متعلق جس قدر بھی حسن عقیدت کا اظہار کریں کم ہے۔ ہمیں ان کی ظاہری خطاؤں کے صحیح محامل اور تاویلات بیان کرنے کا اس سے بھی کہیں زیادہ حق ہے۔ جتنا کسی کو اپنے نسبی آباء و اجداد کی غلطیوں کی تاویلات کا ہو سکتا ہے۔ کسی کو ہمارے معاملہ میں مداخلت کا کیا حق ہے؟ اور ہم کسی کے لیے اس حق کو کیوں تسلیم کریں اور کیوں ان سے مرعوب ہوں جن کے لیے کوئی قابل ذکر آباء و اجداد نہ ہوں انہیں ہمارے محترم اور ذیشان آباء و اجداد پر تنقید کرنے کا کیا حق ہے اور کس منہ سے۔ ہم اپنے حریف سے ببانگ دہل کہہ سکتے ہیں " اولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم "۔ اگر وہ ہماری اس روش سے حق کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ انہوں نے ہمارے خالص حق کو بھی کب بنظرِ قبول دیکھا ہے اور ہماری کونسی صداقت کو مشکوک نگاہوں سے نہیں دیکھا۔ کیا انھوں نے توحید، رسالت، قرآن وغیرہ اسلامی حقائق کو بغیر کسی شک و شبہ کے حق تسلیم کر لیا ہے۔ اگر نہیں تو ایک مشاجرات ہی کے باب میں ان پر حق کا پہلو واضح کرنے کی اس قدر فکر کیوں ہو اگر چودہ سو سال سے اسلام کا معیار حق و صداقت مشکوک نہیں ہوا تو آج بھی

کوئی خطرہ نہیں۔ اِس لیے محض احمقوں کے اعتراضات سے بچنے کے لیے ہم اپنے متفق علیہ اِسلامی عقائد، نظریات اور تعبیرات میں لچک پیدا کرنے کیلئے ہرگز تیار نہیں ہیں۔

سبِ صحابہؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین

بعض گمراہ قسم کے لوگ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باہمی اختلاف سے متاثر ہو کر حبِ اہل بیت کے پردہ میں تبرا یعنی صحابہ کرامؓ پر سب وشتم کو عبادت سمجھتے ہیں۔ کم از کم یہ کہ اختلافات کے دور کے واقعات کی تحقیق کے وقت ان کی زبان اور قلم بے ساختہ غیر محتاط ہو جاتی ہے اور وہ بعض صحابہؓ پر ناروا تنقید کر گزرتے ہیں۔ زیرِ نظر مقالہ میں ہم "سب" کا مفہوم اور اسکی شرعی حیثیت اور ان پر تنقید اور شاتمین صحابہ کا حکم اختصار کیساتھ ذکر کریں گے۔

سب وشتم کے معنی

سب اور شتم دونوں ہم معنی لفظ ہیں۔ حضرت امام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

السب، الشتم الوجیع" لہ یعنی فحش اور مغلظ گالی ..... (۱)

لیکن اس سے ماں بہن کی گالی ہی مراد نہیں بلکہ ہر ناشائستہ اور خلافِ شان بات کو بھی عربی زبان میں "سب اور شتم" سے تعبیر کرتے ہیں۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ آیت" لاتسبوا الذین یدعون من دون اللہ عدوا بغیر علم الآیہ"

---

(۱) اردو ترجمہ مفردات القرآن (امام راغبؒ)۔ ص ۴۹۴

کے تحت لکھتے ہیں:۔

سبحم للہ لیس علی انھم یسبونہ صریحاً ولکن یخوضون فی ذکرہ فیذکرون ما لا یلیق بہ ویتمادون فی ذلک بالمجادلۃ فیزدادون فی ذکرہ ... تعالی عنہ۔ [1]	ان کے اللہ تعالیٰ کو گالیاں دینے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ صریح الفاظ میں اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیں گے کیونکہ اس طرح تو کوئی مشرک بھی نہیں کرتا بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ جوش میں آکر شان الٰہی میں گستاخی کریں گے اور ایسے الفاظ استعمال کریں گے جو اسکی ذات کے شایان شان نہیں جیسا کہ عام طور پر مجادلہ کے وقت ہوتا ہے۔

آگے اس پر عربی شاعر کے شعر سے استشہاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

فما کان ذنب بنی مالک بان سب منھم غلام فسب بابیض ذی شطب قاطع یقد العظام ویبری القصب	بنی مالک کا صرف اتنا گناہ ہے کہ ان میں سے ایک لڑکے نخل پر عار دلائی گئی اور اس نے عار کے جواب میں سفید دھاری دار قاطع تلوار سے اپنی موٹی اونٹنیوں کو ذبح کر ڈالا جو ہڈیوں کو کاٹ دیتی ہو اور قصب یعنی بانس کو تراش دیتی ہو۔

ان اشعار میں اس مضمون کی طرف اشارہ ہے جیکو دوسرے شاعر نے یوں ادا کیا ہے:
نشتم بالافعال لا بالتکلم [2] ہم زبان کی بجائے افعال سے گالی دیتے ہیں

---

(۱) اردو ترجمہ مفردات القرآن (امام راغبؒ) ص ۴۴۹ (۲) ایضاً

حدیث قدسی میں ہے :-

"یوذینی ابن آدم یسب الدھر وانا الدھر"

ابن آدم مجھے تکلیف دیتا ہے کہ وہ زمانے کو گالی دیتا ہے حالانکہ زمانہ میرا ہی نام ہے۔

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اسکی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وانما اطلاق الدھر مبالغۃ فی الرد علی من یسبہ وھم صنفان دھریۃ لا یعرفون للدھر خالقا ویقولون ما یھلکنا الا الدھر ومعترفون باللہ تعالیٰ لکنھم ینزھونہ عن نسبۃ المکارہ الیہ فیقولون تبا لہ وبوسا وخیبۃ ونحو ذلک

اللہ کو گالی دینے والوں پر مبالغہ کے ساتھ رد کرنے کی غرض سے دہر کا لفظ لائے ہیں اور وہ گالی دینے والے دو قسم کے لوگ ہیں۔ دہریے جو کہ خالق دہر سے ناواقف ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں زمانے ہی نے ہلاک کیا دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو ذات خداوندی کے معترف ہیں لیکن وہ چیزوں کی نسبت سے اللہ کو پاک رکھنے کیلئے کہتے ہیں، زمانے کی ہلاکت ہو، زمانے کی خرابی ہو وغیرہ۔

دوسری حدیث قدسی میں ہے :-

کذبنی ابن آدم ولم یکن لہ ذلک وشتمنی ولم یکن لہ

ابن آدم میری تکذیب کرتا ہے حالانکہ اس کیلئے مناسب نہیں اور مجھے گالی دیتا

ذلك فاما تكذيبه اياى فقوله لن يعيدنى كما بدأنى وليس اول الخلق باهون على من اعادته واما شتمه اياى فقوله اتخذ الله ولدا وانا الاحد الصمد الذى لم الد ولم اولد ولم يكن لى كفوا احد، وفى رواية ابن عباسؓ واما شتمه اياى فقوله لى ولد وسبحانى ان اتخذ صاحبة او ولدا [1]

ہے حالانکہ یہ اس کیلئے مناسب نہیں، لیکن اسکا میری تکذیب کرنا تو اس کا یہ کہنا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ دوبارہ اسطرح زندہ نہیں کر سکے گا۔ اور لیکن اس کا مجھے گالی دینا اسکا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنالیا حالانکہ میں یکتا ہوں بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا ہے اور نہ مجھے کسی نے جنا ہے اور نہ ہی میرا کوئی ہمسر ہے اور ابن عباسؓ کی روایت میں ہے " اور لیکن اسکا مجھے گالی دینا، اسکا یہ کہنا ہے کہ میرے ہاں اولاد ہے حالانکہ میں اس بات سے پاک اور منزہ ہوں کہ بیوی یا بچے بناؤں۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اولاد کی نسبت کو شتم کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

حضرت ام مسطح رضی اللہ عنہا نے، جب راہ چلتے ہوئے ان کا پاؤں پھسل گیا تو فرمایا تعس مسطح اس پر عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:-

---

[1] مشکوٰۃ۔ ج ۱۔ باب الایمان۔ الفصل الاول۔ ص ۱۲

أتسبين رجلاً شهد بدراً — کیا تو ایسے آدمی کو گالی دیتی ہے جو بدر کے معرکہ میں شریک ہوا ہے۔

دیکھیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ام مسطح رضی اللہ عنہا کے قول "تعس" کو "سب" کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔

علامہ ابن الاثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ لفظ "تعس" کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فی حدیث الافک "تعس مسطح" یقال تعس، عثر وانکب بوجھہ وقد تفتح العین وھو دعاء علیہ بالھلاک۔[1]

حدیث افک (جس میں سیدہ طاہرہ عائشہ صدیقہ پر تہمت کا قصہ ہے) میں ہے "تعس مسطح" تعس کا استعمال ماضی میں عین کلمہ کے کسرہ اور مضارع میں عین کلمہ کے فتح کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی لڑکھڑا کر اوندھے منہ گر پڑے اور کبھی ماضی میں بھی عین کلمہ کو فتح دیا جاتا ہے اور یہ "تعس" (اس موقع پر) حضرت مسطح کیلئے ہلاکت کی بد دعا ہے۔

علامہ طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:—

ھو بفتح عین وکسرھا ای عثر وھلک اولزمہ الشر اقوال[2] — یہ عین کے فتح اور کسرہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے یعنی پھسل گیا یا ہلاک ہوا یا اسکو شر لازم ہوا۔

---

(۱) نہایہ ابن اثیر ج ۱ ص ۱۹۰ طبع جدید (۲) مجمع البحار ج ۱ ص ۱۴۲

امام راغب رحمۃ اللہ علیہ "تعساً" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

" اصل میں "تعس" کے معنیٰ ہیں لغزش کھا کر گرنا اور پھر اٹھ نہ سکنا پستی میں گر کر کسی چیز کا ٹوٹ جانا ، اور تعس (س) تعساً و تعستہ کا مصدر ہے - قرآن میں ہے - "فتعساً لھم" ان کے لیے ہلاکت ہے - "[1]

قرآن و حدیث سے ذکر کردہ ان استعمالات سے معلوم ہوا کہ "سب و شتم" کا استعمال برا کہنا اور نامناسب بات کے متعلق ہو سکتا ہے - ہماری اس بات کی تائید امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے بھی ہوتی ہے - چنانچہ امام موصوف "شاتم رسول" کا حکم بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

فما عدہ اہل العرف سبا و انتقاصاً او عیبا او طعنا ونحو ذلک فھو من السب [2]

پس اہل عرف جس چیز کو سب اور نقص بیانی یا عیب یا طعن وغیرہ شمار کریں پس وہ سب ہے

دوسری جگہ فرماتے ہیں :-

السب الذی ذکرنا حکمہ من المسلم ھو الکلام الذی یقصد بہ الانتقاص الاستخفاف وھو ما یفھم منہ السب فی عقول الناس علی اختلاف اعتقاد اتھم کاللعن والتقبیح

ایک مسلمان کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے کا ہم نے حکم بیان کیا ، ہر وہ کلام ہے جس سے کہ نقص گوئی اور بے وقعتی کا ارادہ کیا جائے - لوگوں کے ذہنوں میں مختلف اعتقادات کے پیش نظر سب کا یہی

---

(۱) اردو ترجمہ مفردات راغب - ص ۱۴۵ (۲) الصارم المسلول علی شاتم الرسول ص ۵۵۲ -

ونحوه وهو الذی دل علیه قوله تعالیٰ ولا تسبوا الذین یدعون من دون الله فیسبوا الله عدواً بغیر علم، فهذا الشتم ما تفوه به الا لسنة آه[1]

مفہوم ہے جیسے لعنت کرنا اور قباحت بیان کرنا وغیرہ اور اسی پر حق تعالیٰ کا ارشاد "ولا تسبوا آہ" دلالت کرتا ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل عرف جس چیز کو سب و شتم، نقص بیانی، عیب گوئی اور طعنہ زنی وغیرہ شمار کریں۔ وہ "سب" ہے۔

سبِّ صحابہؓ سے مراد

اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "لا تسبوا اصحابی" میں یہ تمام چیزیں آجاتی ہیں لہٰذا ان کے نقائص بیان کرنا یا ان کی عیب گوئی کرنا یا ان میں طعن کرنا یا دوسرے کسی قبیح طریقہ سے ان کا ذکر کرنا "سب" کے مفہوم میں داخل ہیں اور حرام ہیں۔

بلکہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے تو یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کو بخل، بزدلی، قلت علم اور عدم زہد وغیرہ کے ساتھ موصوف کرنا بھی "سب" ہے۔ فرماتے ہیں:-

اما من سبهم سبا لا یقدح فی عدالتهم ولا فی دینهم مثل

لیکن جس نے ان (صحابہؓ) کو ایسی گالی دی جو ان کی عدالت اور دین میں

---

(۱) الصارم المسلول۔ ص ۵۷۶

وصف بعضهم بالبخل او الجبن او قلة العلم او عدم الزهد ونحو ذلك ۔ [1]	قادح نہیں جیسے ان میں سے بعض کو بخل، بزدلی، قلتِ علم یا عدم زہد وغیرہ کے ساتھ موصوف کرنا ۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کو بخل، بزدلی، قلتِ علم اور عدم زہد وغیرہ کے ساتھ موصوف کرنا بھی ان کو گالی دینا ہے ۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کی طرف ایسی چیزوں کی نسبت کرنا جس سے ان کی عدالت مجروح ہوتی ہو، ان کو گالی دینے کے مترادف ہے ۔ بلکہ حکم کے اعتبار سے ماں، بہن کی گالی سے بھی زیادہ سخت جیسا کہ عنقریب شاتمین صحابہؓ کے حکم کے تحت بیان کیا جائیگا

صحابہ کرامؓ پر تنقید بھی سبّ ہی کے حکم میں ہے

صحابہ کرامؓ پر تنقید بھی سب ہی کے حکم میں ہے اور آنحضرتؐ نے اس سے منع فرمایا ہے ۔

الله الله فی اصحابی لا تتخذوهم غرضاً من بعدی	میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد ان کو ہدف تنقید نہ بنانا

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ "غرضاً" کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ای هدفاً لکلامکم القبیح لهم فی المحاورات ورمیهم فی غیبتهم بالوقائع والمکروهات [2]

---

(۱) الصارم المسلول ۔ ص ۵۹۱ (۲) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۔ ج ۱۱ ۔ ص ۲۷۸

ہم نے یہ بات، کہ تنقید بھی سب ہی کے حکم میں ہے، بے دلیل نہیں کہی بلکہ ہمارے پاس اسکی دلیل ہے۔ اولاً یہ کہ "سب" اپنے وسیع مفہوم کے اعتبار سے تنقید کو بھی شامل ہے۔ ثانیاً یہ کہ صحابہؓ کرام پر تنقید کرنے والے، زیادہ سے زیادہ وہی چیزیں ذکر کرتے ہیں جو شاتمین صحابہؓ کرام ان کے مطاعن کے سلسلہ میں بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تحفہ اثنا عشریہ" کے باب دہم میں صحابہؓ کرام کے بارے میں شیعہ کے جن مطاعن کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے حضرت عثمانؓ کے بارے میں بعض مطاعن درج ذیل ہیں:-

(۱) حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کو حاکم وامیر بنایا جو ظالم تھے۔

(۲) حضرت عثمانؓ نے حکم بن ابی العاص کو (جو مروان کا والد تھا) بعد اخراج پیغمبر خدا مدینہ میں بلالیا۔

(۳) عثمانؓ نے اپنے گھر والوں اور اقربا کو بہت مال دیا اور بے انتہا اسراف کیا۔

(۴) حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت میں بہت سے صحابہؓ کو معزول کیا۔

(۵) حضرت عثمانؓ نے عبداللہؓ بن عمر کے قصاص کو موقوف رکھا۔

(۶) حضرت عثمانؓ نے اپنے دوستوں اور مصاحبوں کو جاگیریں دیں۔

بالکل یہی اعتراضات آج کل ناقدین حضرات، تنقید کے نام سے حضرت عثمانؓ پر دہراتے ہیں، بلکہ صحابہؓ کرام، خصوصاً حضرت علیؓ کے مخالفین پر شیعہ مجالس میں جو اعتراضات تبرا کے نام سے کیے جاتے تھے وہی آج تنقید کے حسین اور دلفریب نام سے دہرائے جا رہے ہیں۔ اور اس کو جائز بلکہ مستحسن کارروائی خیال کیا جاتا ہے، بھلا یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اگر شیعہ کوئی اعتراض کرے تو اسکو مطاعن کی

فہرست میں داخل کردیا جائے۔ اور اگر وہی اعتراض کوئی شیعہ حضرت سنی کرے تو اسکو تحقیق اور تنقید کا نام دے دیا جائے۔

نام بدلنے سے اگرچہ حقیقت نہیں بدل جاتی تاہم تنقید بھی کوئی ایسی پسندیدہ حقیقت نہیں ہے جو کسی کے، خصوصاً صحابہ کرامؓ کے حق میں جائز تسلیم کرایا جائے کیونکہ تنقید اور نقد، جرح کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کتب جرح و تعدیل کو کتب نقد رجال اور ائمہ جرح و تعدیل کو ائمہ ناقدین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور گذشتہ اوراق میں یہ بات شرح وبسط کے ساتھ گذر چکی ہے کہ خود اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی تعدیل فرمائی ہے۔ بھلا جس کی تعدیل اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم خود کریں۔ کسی کو اس پر جرح کا کیا حق ہے۔ اللہ، رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعدیل کے بعد جرح کرنے والا خود مجروح ہو جائے گا۔

حضرت امام ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے:۔

اذا رأیت الرجل ینتقص احدا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعلم انہ زندیق لان الرسول عندنا حق والقرآن حق وانما ادی الینا ھذا القرآن والسنن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانما یریدون	جب کسی آدمی کو دیکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے کسی کی طرف تنقیص کی نسبت کر رہا ہے تو یقین کرلو کہ یہ شخص "زندیق" ہے۔ کیونکہ تمہارا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن حق ہیں۔ اور اس قرآن اور سنت رسول صلی اللہ

ان یجرحوا شهودنا لیبطلوا الکتاب والسنة، والجرح بهم اولی وهم "زنادقة" [1]

علیہ وسلم کو ہم تک صحابہ کرامؓ ہی نے پہنچایا ہے اور یہ ہمارے ان گواہوں کو مجروح کرکے کتاب وسنت کو باطل کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ خود جرح کے زیادہ حق دار ہیں۔ اور یہ لوگ "زندیق" اور بے دین ہیں۔

---

(۱) کفایہ ص ۴۹، اصابہ ص ۱۰/۱

"سبِ صحابہؓ کی شرعی حیثیت اور شاتمین صحابہ کرامؓ کا حکم"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تنقیص اور ان پر سب وشتم کرنیوالوں سے بیزاری کا اظہار فرمایا ہے اور ان کو مستحق لعنت قرار دیا ہے، ارشادِ نبوتی ہے۔

اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنۃ اللہ علی شرکم (رواہ الترمذی) [1]

جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہؓ کے بارے میں بدگوئی کرتے ہوں تو کہو اللہ کی لعنت ہو تمہارے برے پر

ایک دوسری حدیث میں ہے:۔

ان اللہ اختارنی واختار لی اصحابا واجعل لی فیہم وزراء وانصارا واصہارا فمن سبہم فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین ولا یقبل اللہ منہ یوم القیامۃ

بے شک اللہ نے مجھے چن لیا ہے اور میرے لیے میرے صحابہؓ کو چن لیا اور ان میں میرے وزیر، انصار اور سسرال بنائے پس جو انہیں گالی دے (یا کسی قسم کی بدگوئی کرے) اس پر اللہ کی لعنت اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو

---

[1] سنن ترمذی۔ باب ۔ ص مشکوٰۃ۔ ج ۲۔ باب مناقب الصحابہ۔ ص ۵۵۴

حرفاً ولا عدلاً (رواہ المحاملی والطبرانی والحاکم) [1]

اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی جانب سے کسی قسم کا معاوضہ قبول نہ کرے گا

ایک اور حدیث میں ہے:-

ان اللہ اختارنی واختار لی اصحاباً وانصاراً وسیاتی قوم یسبونھم فلا تجالسوھم ولا تشاربوھم ولا تواکلوھم ولا تناکحوھم (رواہ العقیلی فی الضعفاء) [2]

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے چن لیا ہے اور میرے لیے میرے صحابہ اور انصار کو چن لیا ہے۔ عنقریب کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو ان میں بدگوئی کیا کریں گے اور ان کی تنقیص کیا کریں گے پس ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور کھانا پینا نہ رکھنا اور ان کے ساتھ شادیاں نہ کرنا

ایک اور حدیث میں ہے:

ان اللہ اختارنی واختار اصحابی فجعلھم اصحاری وجعلھم انصاری وانہ سیجئ فی اخر الزمان قوم ینتقصونھم الا فلا تناکحوھم الا فلا تنکحوا الیھم الا فلا تصلوا معھم الا فلا تصلوا علیھم، علیھم حلت اللعنۃ (رواہ الخطیب) [3]

بے شک اللہ نے مجھے اور میرے صحابہ کو چن لیا ہے پس انہیں میرے سسرال اور انصار بنا دیے ہیں اور آخری زمانہ میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو انکی تنقیص شان کریں گے۔ خبردار ان سے نکاح شادیاں نہ کرنا نہ انکے پاس نکاح کی خواہش لے کر جانا اور نہ ان کے جنازہ میں شرکت کرنا، ان پر اللہ کی لعنت ہے۔

---

(۱) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ۔ ج ۱۱۔ ص ۲۷۴ (۲) ایضاً (۳) کنایہ۔ ص ۴۸

مذکورہ بالا احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو برا کہنے والوں اور ان کی تنقیص شان کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور ان کے ساتھ نکاح شادی، میل ملاپ اور خورد و نوش اور ان کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے اور ان کے جنازہ میں شرکت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ طرق اگر ضعیف بھی ہوں تو تعدد کی وجہ سے وہ ضعف منجبر ہو جاتا ہے خصوصاً جبکہ صراحتاً متفق علیہ صحیح حدیث میں سب صحابہؓ سے ممانعت ثابت ہے۔ ارشاد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے:

لا تسبوا اصحابی (۱)

میرے صحابہؓ کو گالی نہ دو

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت لکھتے ہیں:-

واعلم ان سب الصحابة رضی اللہ عنہم حرام من فواحش المحرمات سواء من لابس الفتن منہم وغیرہ لانهم مجتهدون فی تلک الحروب ومتأولون .... قال القاضی وسب احدهم من المعاصی الکبائر ومذهبنا ومذهب الجمهور انه یعزر ولا یقتل وقال بعض المالکیة یقتل (۲)

جان لو کہ سب صحابہؓ حرام ہے، فواحش محرمات میں سے ہے۔ جن صحابہؓ نے اختلافات میں حصہ لیا وہ بھی اور جنہوں نے حصہ نہیں لیا وہ بھی (اس حکم میں) سب یکساں ہیں کیونکہ وہ ان جنگوں میں مجتہد اور متاول تھے .... قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ان (صحابہؓ) میں کسی کو بھی گالی دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور ہمارا اور جمہور کا یہ مذہب ہے کہ (گالی دینے والے کو) تعزیر لگائی جائے گی اور قتل نہیں کیا جائیگا اور بعض قتل کے قائل ہیں

---

(۱) صحیح بخاری۔ ج ۱۔ باب فضائل الصحابہ ص، صحیح مسلم ج ۲۔ ص ۳۱۰
(۲) ایضاً۔ مع شرح نووی ج ۲

شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ قاضی عیاضؒ کا مذکورہ بالا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

وخص بعض الشافعية ذلك بالشيخين والحسنين فحكى القاضي حسين في ذلك وجهين وقواه السبكي في حق من كفر الشيخين وكذا من كفر من صرح النبي صلى الله عليه وسلم بايمانه او تبشيره بالجنة اذا تواتر الخبر بذلك عنه لما تضمن من تكذيب رسول الله صلى الله عليه وسلم [1]

اور بعض شافعیہ نے اسکو قتل شاتم شیخین اور حسنین کے ساتھ خاص کیا ہے قاضی حسین نے اسمیں دو وجہیں نقل کی ہیں اور علامہ سبکی نے شیخین کی تکفیر کرنیوالے کے حق میں قول قتل کو قوی کہا ہے۔ ایسے ہی جس کے ایمان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کی ہو اور اسکو جنت کی بشارت دی ہو اس کی تکفیر کرنے والا بھی مستوجب قتل ہے۔ کیونکہ یہ آنحضرت کی تکذیب کو متضمن ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم امام نوویؒ کی مذکورہ بالا عبارات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

وقد صرح بعض علمائنا بانه يقتل من سب الشيخين ففي كتاب السير من كتاب الاشباه والنظائر للزين بن نجيم و

اور ہمارے بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ شیخین کو گالی دینے والا قتل کیا جائیگا۔ زین ابن نجیم کی اشباہ والنظائر کی کتاب السیر میں ہے۔ کافر جب توبہ کرلے

---

(1) فتح الباری - ج ۷ - ص ۱۸ - طبع قدیم

كل كافر تاب فتوبته	تو اس کی توبہ دنیا و آخرت دونوں میں
مقبولة فى الدنيا والآخرة	مقبول ہے مگر کفار کی ایک جماعت ایسی
الاجماعة الكافر بسب النبى	ہے کہ اسکی توبہ مقبول نہیں۔ نبی صلی اللہ
وسب الشيخين او احدهما	علیہ وسلم اور شیخین رضی اللہ عنہما یا ان میں سے ایک
او بالسحر او بالزندقة و	کو گالی دے کر جو کافر ہوا یا جادو کی وجہ
او امراة اذا اخذ قبل توبته	سے یا زندقہ کی وجہ سے اگرچہ عورت ہو
وقال سب الشيخين ولعنهما	جب اسے پکڑ لیا جائے تو اسکی توبہ قبول کر
كفر وان فضل عليا عليهما	لی جائیگی اور فرمایا کہ شیخین رضی اللہ عنہما کو گالی دینا،
فمبتدع كذا فى الخلاصة و	اور ان پر لعنت کرنا کفر ہے اور اگر حضرت
فى مناقب الكردرى يكفر اذا انكر	علی کرم اللہ وجہہ کو ان پر فضیلت دے تو
خلافتهما او بغضهما لمحبة	بدعتی (خلاصہ میں ایسا ہی ہے) اور کردری
النبى لهما واذا احب عليا اكثر	کے مناقب میں ہے۔ اگر شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت
منهما لا يؤاخذ به	کا انکار کرے تو کافر قرار دیا جائے گا اور
۱	اگر شیخین رضی اللہ عنہما کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ
	محبت کرتا ہے تو اسکی وجہ سے اس پر مواخذہ نہیں ہے

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے شاتمین صحابہ رضی اللہ عنہم
کا حکم نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

قال فى الرسالة التى رواها	امام احمد بن حنبل نے اپنے اس رسالہ

(۱) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ۔ ج ۱۱۔ ص ۲۷۳

الو العباس احمد بن یعقوب الاصطخری وغیرہ وخیر الامۃ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر و عمر و عثمان بعد عمر و علی بعد عثمان و وقف قوم و ھم خلفاء راشدون مھدیون ثم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ھولاء الاربعۃ خیر الناس لا یجوز لاحد ان یذکر شیئاً من مساویھم ولا یطعن علی احد منھم بعیب ولا نقص فمن فعل ذلک فقد وجب تادیبہ و عقوبتہ لیس لہ ان یعفو عنہ بل یعاقبہ و یستتیبہ فان تاب قبل عنہ وان ثبت اعاد علیہ العقوبۃ وخلدہ فی الحبس حتی یموت او یرجع وقال المیمونی سمعت احمد یقول مالھم و لمعاویۃ نسال

جس کو الو العباس احمد بن یعقوب وغیرہ نے روایت کیا ہے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پوری امت سے بہتر ابوبکر، عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم ہیں اور کچھ لوگوں نے انہیں توقف کیا ہے، یہ حضرات خلفاء راشدین ہدایت یافتہ ہیں پھر ان چاروں کے بعد تمام صحابہ رسول امت میں بہتر ہیں، کسی کیلئے جائز نہیں کہ ان کے مساوی بیان کرے اور نہ یہ کہ ان میں سے کسی پر عیب یا نقص کے ساتھ طعن کرے۔ پس جس نے ایسا کیا اسکی تادیب اور عقوبت واجب ہے اسکو معاف نہیں کیا جا سکتا بلکہ سزا دی جائے گی اور توبہ کروائی جائیگی، اگر توبہ کرلی تو قبول کی جائیگی اگر اپنی بات پر اڑا رہا تو دوبارہ اسکو سزا دی جائے گی اور تا موت یا رجوع لے قید میں رکھا جائے گا.....

اور میمونی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد کو یہ کہتے ہوئے سنا انہیں معاویہ سے کیا

الله العافية وقال یا ابا الحسن ان رایت احدا یذکر اصحاب رسول الله صلی الله علیه بسوء فاتهمه علی الاسلام وقال ابو یعلی الذی علیه الفقهاء فی سب الصحابة ان مستحلا لذلک کفر وان لم یکن مستحلا فسق ولم یکفر سواء کفرهم او طعن فی دینهم مع اسلامهم وقد قطع طائفة من الفقهاء من اهل الکوفة وغیرهم بقتل فی سب الصحابةؓ و کفر الرافضة ۔

ولفظ بعضهم وهو الذی نصره القاضی ابو یعلی انه ان سبهم سبا یقدح فی دینهم وعدالتهم کفر

سرور کا ہے ہم اللہ سے معافی چاہتے ہیں اور کہا اے ابوالحسن اگر تو کسی کو دیکھے کہ صحابہؓ رسول میں سے کسی کا ذکر برائی سے کر رہا ہے تو اسے اسلام کے بارے میں متہم سمجھو۔ اور قاضی ابو یعلیٰ فرماتے ہیں کہ سب صحابہؓ کے بارے میں فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اگر حلال سمجھے تو کافر قرار دیا جائے گا اور اگر حلال نہ سمجھے تو فاسق قرار دیا جائے گا، خواہ ان کی تکفیر کرتا ہو یا ان کے دین میں طعن کرتا ہو، باوجود ان کے مسلمان ہونے کے۔ اہل کوفہ میں سے فقہاء کی ایک جماعت اور کچھ دوسرے لوگوں نے قطعی فیصلہ کیا ہے کہ جو صحابہ کو گالی دے گا اسے قتل کیا جائیگا اور رافضیوں کو کافر قرار دیا جائیگا

اور بعض نے کہا ہے اور اسی کی ابو یعلیٰ نے بھی تائید کی ہے کہ اگر صحابہؓ کو ایسی گالی دی جو ان کے دین اور عدالت میں قادح ہے تو اسکی وجہ سے کافر قرار دیا جائیگا۔

(۱) الصارم المسلول ۔ ص ۵۷۴

بذلك وان سبهم سبا لا يقدح
في دينهم ومثل ان يسب اباحدهم
او يسبه سبا يقصد به غيضه
ونحو ذلك لم يكفر وقال القاضي
ابويعلى فقد اطلق (الامام احمد)
القول فيه (اي في رواية
المروزي) انه يكفر لسبه
لاحد من الصحابة وتوقف
في رواية عبدالله وابي طالب
عن قتله وكمال الحد وايجاب
التعزير يقتضي انه لم يحكم بكفره
قال فيحتمل ان يحمل قوله
ما اراه على الاسلام على سب
يطعن في عدالتهم نحو قوله
ظلموا وفسقوا بعد النبي
صلى الله عليه وسلم واخذوا
الامر بغير حق ويحمل قوله
في اسقاط القتل على سب لا يطعن
في دينهم نحو قوله كان فيهم

اور اگر ایسی گالی دی جو دین میں قادح
نہیں جیسے ان میں سے کسی کے باپ کو
گالی دی جس سے صرف ناراضگی کا اظہار
مقصود ہے وغیرہ، تو کافر نہیں قرار دیا جائے
گا۔ قاضی ابویعلیٰ فرماتے ہیں کہ مروزی کی
روایت کے مطابق امام احمدؒ نے صحابہ میں سے
کسی ایک کو گالی دینے والے کے متعلق مطلق
کفر کا قول کیا ہے اور عبداللہ اور ابوطالب
کی روایت میں اسکے قتل سے توقف کا قول
کیا ہے۔ کمال حد اور ایجاب تعزیر اس
بات کی مقتضی ہے کہ کفر کا حکم نہیں لگایا
جائیگا اور فرمایا (قاضی ابویعلیٰ نے) کہ
امام احمدؒ کے قول "ما اراہ علی الاسلام"
کو ایسی گالی پر محمول کیا جائیگا جو عدالت
میں طعن کا موجب ہو جیسے یوں کہنا کہ
صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات
کے بعد ظالم و فاسق ہو گئے تھے اور امر
(خلافت) کو ناحق سنبھال لیا اور اسقاط
قتل میں ان کے قول کو ایسی گالی پر محمول

قلة علم و قلة معرفت بالسیاسة والشجاعت وکان فیھم شح ومحبة الدنیا ونحو ذلك قال وتحمل ان یحمل کلامہ علی ظاھرہ فتکون فی سابھم روایتان احداھما یکفر والثانیة یفسق۔ [1]

کیا جائے گا جو ان کے دین میں طعن کا موجب نہ ہو جیسے یہ کہنا کہ انہیں علم و معرفت بالسیاستہ اور شجاعت کی قلت تھی اور ان میں بخل اور دنیا کی محبت تھی وغیرہ، اور فرمایا کہ امام احمدؒ کے کلام کو ظاہر پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے (اس طرح کہ) امام صاحب کی شاتم صحابہؓ کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک تکفیر کی اور دوسری تفسیق کی

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی ابو یعلیٰ کے واسطے سے امام احمد بن حنبل اور دوسرے علماء سے جو کچھ نقل کیا ہے اسکا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱) اگر گالی ایسی ہو جو دین اور عدالت میں قادح نہ ہو تو تعزیر لگائی جائے گی۔

(۲) اگر سب صحابہؓ کو حلال سمجھتا ہو تو کافر قرار دیا جائے گا ورنہ فاسق۔

(۳) گالی دینے والے کو قتل کر دیا جائے گا۔

(۴) اگر ایسی گالی دے جو دین و عدالت میں قادح ہو تو کافر قرار دیا جائیگا۔

عقائد نسفیہ کے شارح علامہ سعد الدین تفتازانی نے ایک دوسری تفصیل نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

فسبھم والطعن فیھم ان کان مما یخالف الادلة القطعیة

صحابہؓ کو گالی دینا اور ان میں طعن کرنا۔ اگر ادلۂ قطعیہ کے مخالف ہو، تو کفر ہے

---

(۱) الصارم المسلول۔ ص ۵۷۹

فكفر كقذف عائشة والا فبدعة
وفسق وبالجملة لم ينقل من
السلف المجتهدين والعلماء
الصالحين جواز اللعن على
معاويةؓ واحزابه لان غاية
امرهم البغي والخروج على
الامام وهو لا يوجب اللعن

جیسے حضرت عائشہ کا قذف ورنہ بدعت
فسق ہے۔ بہر حال سلف مجتہدین اور
علماء صالحین سے حضرت معاویہؓ اور
ان کے امثال پر لعنت کرنا منقول نہیں
کیونکہ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ انہوں
نے امام پر بغاوت اور خروج کیا اور
یہ بات موجب لعن نہیں ہے۔

حضرت معاویہؓ کا ذکر آ گیا، اسلیے مناسب ہے کہ جو لوگ حضرت امیر معاویہؓ کے
متعلق بدگمانی کرتے ہیں ان کے متعلق علماء کی آراء نقل کر دی جائیں:
علامہ فرہاروی شارح عقائد کے اس جملہ کے تحت کہ "علماء سے حضرت معاویہؓ
پر لعنت منقول نہیں" لکھتے ہیں:—

لا يخفى ان الشارح قص ما
فى حق هذا الصحابى حيث اكتفى
بعدم جواز اللعن واقول قد
صرح علماء الحديث بان معاوية
من كبار الصحابة ونجبائهم و
مجتهدهم ولو سلم انه من
صغارهم فلا شك فى انه
دخل فى عموم الاحاديث الصحيحة

یہ بات مخفی نہیں کہ شارح نے اس صحابی
(معاویہؓ) کے حق میں (علماء سے تحسین کے جو
کلمات منقول ہیں) ان میں سے صرف
اس پر اکتفا کیا ہے کہ ان پر لعنت کرنا
جائز نہیں، میں کہتا ہوں کہ علماء حدیث
نے تصریح کی ہے کہ معاویہؓ کبار اور نجیب
اور مجتہد صحابہؓ میں سے تھے اور اگر ان کا
صغار صحابہؓ میں سے ہونا بھی تسلیم کر لیا جائے

الواردة في تشريف الصحابة
بل قد وجد فيه بخصوصه احاديث
كقوله اللهم اجعله هاديا
مهديا واهديه (رواه الترمذي)
وقوله اللهم علم معاوية
الحساب والكتاب وقه العذاب
(رواه احمد) وما قيل من انه
لم يثبت في فضله حديث
فمحل نظر وكان السلف يغضبون
من سبه وطعنه وقيل لابن
عباس ان معاوية صلى الوتر
ركعة واحدة قال دعه فانه
فقيه صحب رسول الله صلى
الله عليه وسلم كما في صحيح
البخاري وسبه رجل عند
خليفة الراشد عمر بن
عبد العزيز فجلده
وقال آخر امير المؤمنين
يزيد فجلده وقيل للامام الجليل

توپھر بھی بلاشک صحابہ کے فضائل میں جو
احادیث منقول ہیں ان کے عموم داخل
ہیں بلکہ خصوصیت کے ساتھ ان کے حق میں
بعض احادیث وارد ہوئی ہیں جیسے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اے اللہ
معاویہ کو ہادی و مہدی بنا" (اسکو ترمذی
نے روایت کیا ہے) اور ارشاد ہے "اے اللہ
معاویہ کو حساب اور کتاب کا علم عطا
فرما اور اسکو عذاب سے بچا" (اسکو امام احمد نے
روایت کیا ہے) اور یہ جو کہا گیا ہے کہ حضرت
معاویہ کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت
نہیں محل نظر ہے، سلف صالحین حضرت
معاویہ کے بارے میں سب اور طعن کرنیوالے
کو برا سمجھتے تھے، ابن عباس سے کہا گیا کہ
معاویہ وتر ایک پڑھتے ہیں تو انہوں نے
فرمایا کہ چھوڑو وہ فقیہ ہیں، رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہیں خلیفہ
راشد عمر بن عبدالعزیز کے سامنے ایک
آدمی نے حضرت معاویہ کو گالی دی تو انہوں

عبد اللہ بن المبارک معاویۃ رضی افضل ام عمر بن عبد العزیز قال غبار فرس معاویۃ رضی اذا غزا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل من عمر ۔ وقال القاضی عیاض المالکی فی الشفاء وقال مالک من شتم احدا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابا بکر رضی او عمر رضی او عثمان رضی او معاویۃ رضی او عمرو بن العاص رضی فان قال کانوا علی کفر وضلال قتل وان شتمھم بغیر ھذا من مشاتمۃ الناس نکل نکالا شدیدا ۔ [1]

نے اسے کوڑے لگوائے۔ اور دوسرے نے یزید کو امیر المؤمنین کہا تو اس کے بھی کوڑے لگوائے۔ امام جلیل عبد اللہ رضی بن مبارک کو کہا گیا کہ معاویہ رضی افضل ہیں یا عمر بن عبد العزیز، تو فرمایا کہ معاویہ کے گھوڑے کی وہ غبار جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کرتے ہوئے اس پر پڑ گئی وہ بھی عمر رضی بن عبد العزیز سے افضل ہے۔ قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں کہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی میں سے کسی کو (ابوبکر ہو یا عمر رضی یا عثمان رضی یا معاویہ رضی یا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم اجمعین) گالی دی یا یہ کہا کہ ان کی تکفیر یا تضلیل کی تو اس کو قتل کیا جائے گا اور اگر اس کے علاوہ کوئی ایسی گالی دی جو آپس میں لوگ دیتے ہیں تو اس کو سخت سزا دی جائے گی۔

ان تمام اقوال کے پیش نظر صحابہ کرام رضی کو کوئی ایسی گالی دینا جس کا تعلق انکے

---

(۱) نبراس - ص ۵۵۰، ۵۵۱

آبا سے ہو یا دیانت وعدالت سے یعنی ان پر تنقید کرنا یا ان کی طرف اوصاف مذمومہ حسد، بخل، قلتِ سیاست ، اور قلتِ شجاعت وغیرہ کی نسبت کرنا جس سے ان کی تنقیصِ شان کا پہلو نکلتا ہو، حرام ہے اور ایسا آدمی (علی اختلاف الروایتین) مستوجبِ قتل یا سخت سزا کا مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو صحابہ کرامؓ کے ساتھ محبت اور حسنِ عقیدت نصیب فرمائے اور ان کے نقشِ قدم پر چل کر اپنی رضامندی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

(وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین)

مآخذ و مراجع

اسماء المؤلفین	اسماء الکتب	نمبر شمار
کلام اللہ القدیم	القرآن الحکیم	(۱)
الامام محمد بن اسمٰعیل البخاری ۲۵۶ھ	الصحیح البخاری	(۲)
الامام مسلم بن حجاج ۲۶۱ھ	الصحیح المسلم مع شرح النووی	(۳)
امام محمد ابن سعدؒ	الطبقات الکبریٰ	(۴)
حافظ ابن حجرؒ ۸۵۲ھ	فتح الباری	(۵)
امام ابن کثیرؒ ۷۷۴ھ	تفسیر ابن کثیر	(۶)
" "	البدایہ والنہایہ	(۷)
حافظ ابن قیمؒ ۷۵۱ھ	اعلام الموقعین	(۸)
امام راغب اصفہانیؒ	مفردات القرآن	(۹)
امام ابن اثیرؒ ۶۳۰ھ	النہایہ	(۱۰)
امام ابن تیمیہؒ	الصارم المسلول	(۱۱)
امام ابوبکر ابن العربیؒ	العواصم من القواصم	(۱۲)

نمبر شمار	اسماء الکتب	اسماء المؤلفین
(۱۳)	اصابہ	حافظ ابن حجرؒ
(۱۴)	شرح نخبۃ الفکر	" "
(۱۵)	فتح المغیث	حافظ زین الدین عراقی ۸۰۶ھ
(۱۶)	الکفایہ	خطیب بغدادی
(۱۷)	جامع ترمذی	امام ابو عیسیٰ ترمذی ۲۷۹ھ
(۱۸)	الاستیعاب	حافظ ابن عبد البر ۴۶۳ھ
(۱۹)	اسد الغابہ	ابو الحسن علی المعروف بابن الاثیر ۶۳۰ھ
(۲۰)	تدریب الراوی	امام جلال الدین سیوطیؒ
(۲۱)	مقدمہ ابن صلاح	امام ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمن ۶۴۳ھ
(۲۲)	مرقاۃ شرح مشکوٰۃ	ملا علی قاریؒ ۱۰۱۴ھ
(۲۳)	شرح عقیدہ طحاویہ	
(۲۴)	تحفہ اثنا عشریہ	شاہ عبد العزیز دہلویؒ
(۲۵)	اردو ترجمہ مفردات القرآن	مولانا محمد عبدہٗ
(۲۶)	ازالۃ الخفا	شاہ ولی اللہ دہلوی
(۲۷)	شرح فقہ اکبر	ملا علی قاریؒ
(۲۸)	علوم الحدیث	ڈاکٹر صبحی الصالح
(۲۹)	قواعد التحدیث	علامہ جمال الدین قاسمیؒ

ادارہ کی دیگر مطبوعات

کتابت حدیث تا عہد تابعین

مرتبہ :- محمد خالد سیف

یہ کتاب مستشرقین اور منکرینِ حدیث کے کتابتِ حدیث کے سلسلہ میں اعتراض کا بیشمار امہات کتب سے لاتعداد اور ناقابلِ تردید دلائل کے ذریعہ مسکت جواب ہے۔ اور اس بات کا ثبوت ہے کہ کتابتِ حدیث کی داغ بیل عہد رسالت میں ہی پڑ چکی تھی۔ عہد صحابہ میں تحریک پروان چڑھی اور عہد تابعین میں پورے عروج پر پہنچ گئی۔

یہ کتاب اہلِ علم کے لئے بیش بہا تحفہ، متلاشیانِ حق کے لئے اہم دستاویز اور مستشرقین و منکرینِ حدیث کیلئے ایٹم بم ہے۔

ادارہ علوم اثریہ۔ لائل پور

امام دار قطنیؒ

چوتھی صدی ہجری کے نامور تاجدارِ حدیث حضرت امام دار قطنیؒ پر مختلف اہلِ علم نے مقالات سپردِ قلم کئے مگر افسوس کہ وہ اختلافِ مسلک کے پیشِ نظر امام موصوف کی علمی شخصیت کا صحیح تجزیہ کرنے سے قاصر رہے۔ بلکہ انھوں نے آپ پر تشدد وغیرہ کا الزام لگا کر غلط تاثر دینے کی کوشش کی۔

اس کتاب میں آپ کے سوانح، آپ پر الزامات کا جائزہ، آپکی تالیفات خصوصاً "السنن" پر تبصرہ، علل الحدیث اور جرح و تعدیل میں آپ کے مقام اور دیگر بیشمار عنوانات پر جامع بحث کی گئی ہے۔ نیز بتایا گیا ہے کہ بعض فنونِ حدیث میں تو آپ سابقہ محدثینؒ پر بھی فوقیت رکھتے ہیں۔

یہ کتاب اہلِ ذوق کیلئے ایک نادر تحفہ سے کم نہیں۔

ادارہ علومِ اثریہ لائل پور